دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

# دارالعلوم


جلد: ۱۰۸ | رجب المرجب - رمضان المبارک ۱۴۴۵ھ مطابق فروری - مارچ ۲۰۲۴ء | شمارہ: ۲-۳



نگراں

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی
مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر

مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری
استاذ دارالعلوم دیوبند



ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند - ۲۴۷۵۵۴ یوپی

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Web : http://www.darululoom-deoband.com
https://darululoom-deoband.com/urdumagazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com



**DARUL ULOOM** Monthly (Urdu)
R. N. I. No.: 2133/57
**Vol. No. 108, Issue No. 2-3, Feb.-Mar. 2024** फरवरी–मार्च 2024
**Published by** Maulana Abul-Qasim Numani
**Printed by** Maulana Abul-Qasim Numani
**Editor** :- Maulana Mohammad Salman Bijnori
**On Behalf of** Darul Uloom Grush.
**Place of Publication** :- Deoband, Saharanpur, U.P.
**Printed at:** Mukhtar Printing Press Mohalla Bar Ziyaul Haq
Talehari Chungi. Deoband, Saharanpur. U.P.

Rs. 60/= | Annual Subscription Rs. 300/=

Annual by Regd Post. Rs. 540/=

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ -/۱۵۰۰ روپے
بنگلہ دیش سے سالانہ -/۸۰۰ روپے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۸۰۰ روپے

# فہرست مضامین


| | | | |
|---|---|---|---|
| **حرف آغاز** | | محمد سلمان بجنوری | ۳ |
| **متعلقات رمضان** | تراویح اور ختم قرآن | مفتی شکیل منصور قاسمی | ۴ |
| **تحقیقی مقالات** | رسالہ ناسخ القرآن ومنسوخہ....تصحیح وتعارف | مولانا عمر مشتاق جموں کشمیر | ۴۳ |
| // | روح کا مستقر اور عذاب قبر | پروفیسر محمد سلیم قاسمی | ۵۱ |
| // | یہودیت کیا ہے؟ | ڈاکٹر مولانا اشتیاق احمد قاسمی | ۶۲ |
| **رہنمائی** | گمراہ کن کتب کے منفی اثرات | مولانا غلام اکبر لاشاری | ۷۴ |
| // | عقلی فنون پڑھنے کے فائدے | مفتی محمد طارق محمود، لاہور | ۷۸ |
| **اصلاحی مضامین** | عذاب الٰہی کب آتا ہے؟ | محمد سلیم شاکر، مدراس | ۸۸ |
| // | غیبت ایک لذیذ گناہ | مولانا عبدالمتین لیاری | ۱۰۰ |
| // | صلہ رحمی کی برکات | مولانا محمد راشد شفیع | ۱۰۴ |
| **نئی کتابیں** | تعارف وتبصرہ | ڈاکٹر مولانا اشتیاق احمد قاسمی | ۱۰۷ |


## ختم خریداری کی اطلاع

- ○ یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔
- ● ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- ● ایک سال کے لیے اگر بذریعہ رجسٹری طلب فرمائیں تو =/540 روانہ فرمائیں۔
- ● ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# حرف آغاز

محمد سلمان بجنوری

۲۲؍جنوری کو رام مندر کے افتتاح کی تقریبات کے ذریعہ حکومت ہند اور اس کی رہنما تنظیم آر ایس ایس کی جانب سے جو پیغام دیا گیا اور جو ماحول بنانے کی کوشش کی گئی وہ ہر سچے ہندوستانی کے لیے نہایت تشویش کی بات ہے، جہاں تک رام مندر کی تعمیر کا معاملہ ہے، تو عدالت کے ذریعہ بابری مسجد کی شہادت کے بعد خالی ہونے والی جگہ، آستھا کی بنیاد پر ہندو فریق کو دیے جانے کے بعد، یہ بات یقینی تھی کہ وہاں مندر تعمیر ہوگا، عدالت کے احترام میں مسلمانوں نے یہ کڑوا گھونٹ، بے مثال صبر وتحمل کے ساتھ پی لیا تھا اور اس طرح اپنے وطن عزیز کو مسائل سے بچالیا تھا؛ لیکن اب جس انداز سے مندر تعمیر کا پروپیگنڈہ کیا گیا اور حکومت کے سربراہ نے آر ایس ایس کے سربراہ کے ساتھ مل کر، اس کے افتتاح کی خالص مذہبی تقریبات میں کلیدی کردار ادا کیا اور اس موقع پر دونوں نے اپنے خطاب کے ذریعہ جو پیغام دیا اور اس کے بعد اور اس سے پہلے بھی رام کے نام پر پورے ملک میں سیاسی فائدہ اٹھانے کے علاوہ، شرک کی دعوت دی گئی اور شرکیہ علامتوں کو ہر ہندوستانی کے لیے مقدس قرار دینے کی کوشش کی گئی اور پھر ملک کے وزیر داخلہ نے پارلیمنٹ میں رام اور ان کے کردار کو ملک کی اصل روح قرار دیتے ہوئے صاف لفظوں میں کہا کہ رام کے بغیر بھارت کی کلپنا کرنے والے، دور غلامی کی نمائندگی کرتے ہیں، ان تمام باتوں نے ہندوستان کی حقیقی روح کے لیے خطرہ کھڑا کردیا ہے، ہندوستان کی روح اور اس کا کردار، اس کی رنگارنگ تہذیب اور حقیقی مذہبی آزادی میں ہے، جس میں کسی شہری پر، کسی بھی مذہبی یا تہذیبی معاملے میں جبر نہ ہو اور ہر ایک کو اپنے مکمل مذہب پر عمل کرنے کی پوری آزادی ہو، موجودہ ماحول اس کے مخالف رُخ پر جارہا ہے، ہم حکومت ہند سے اور برادران وطن سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ جذبات سے اٹھ کر اس صورت حال کا تجزیہ کریں اور ملک کا حقیقی کردار زندہ کریں۔

# تراویح اور ختم قرآن

## حقیقت، حیثیت اور ہماری بے اعتدالی

بقلم: مفتی شکیل منصور القاسمی
مرکز البحوث الاسلامیۃ

''ترویحہ'' لغوی اعتبار سے ایک دفعہ بیٹھنے اور آرام واستراحت کرنے کو کہتے ہیں، اس کی جمع ''تراویح'' ہے۔

اصطلاحِ شرع میں رمضان المبارک کی راتوں میں عشاء کی نماز کے بعد سے صبح صادق تک باجماعت یا اکیلے پڑھی جانے والی بیس رکعت سنت مؤکدہ کفایہ نماز کو ''تراویح'' کہتے ہیں۔

اصل میں اسے قیام اللیل، قیام رمضان، یا مطلق القیام کہا جاتا ہے؛ لیکن چونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جب باضابطہ جماعت کے ساتھ اسے ادا کرنے کے لیے منظّم طور پہ جمع ہوئے تو وہ ہر دو سلام (چار رکعتوں) کے بعد تھوڑی دیر آرام واستراحت (ترویحہ) کرتے تھے اور چونکہ بیس رکعت تراویح میں پانچ مرتبہ استراحت ہوتا ہے؛ اس لیے اس قیام اللیل کا نام باضابطہ اجتماع واہتمام کے بعد صیغۂ جمع کے ساتھ ''تراویح'' پڑ گیا۔ (النہایۃ فی غریب الحدیث والأثر، لابن الأثیر (274/2)، المغرب فی ترتیب المعرب، للمطرّزی (ص:201)، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، للعینی (142/11) درر الحکام شرح غرر الأحکام، لملا خسرو (117/1) فتح الباری 250/4، شرح صحیح البخاری کتاب صلاۃ التراویح، اوجز المسالک 514/2، باب ماجاء فی قیام رمضان، الاقناع فی حل ألفاظ أبی شجاع، للشربینی (117/1)، المبدع فی شرح المقنع، لابن مفلح (21/2)، الحاوی الکبیر للماوردی (478/4)، شرح النووی علی صحیح مسلم (87/7)، کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، للتھانوی (287/1)، معجم لغۃ الفقہاء (ص:141)۔

### نماز تراویح کی مشروعیت کب اور کس طرح ہوئی؟

نماز تراویح سے متعلق وارد احادیث کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ تراویح کا آغاز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے آخر میں ہی ہوا تھا اور آپ نے خود اسے مشروع فرمایا، پھر حسن اتفاق ہے کہ اس نماز

کا آغاز ہی جماعت سے ہوا تھا، چند راتوں کے عملی تجربے کے بعد اپنی امت کے ساتھ شفقت کے مدنظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی باجماعت نماز سردست موقف کردی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو تین مرتبہ نماز تراویح باجماعت پڑھائی اور چوتھی رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس نکل کر نہیں گئے؛ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ساتھیوں نے آپ سے اس کے بارے میں جب پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خَشِيتُ أنْ تُفْتَرَضَ عليْكُم، فَتَعْجِزُوا عَنْهَا، فَتُوُفِّيَ رَسولُ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلَّمَ والأمْرُ علَى ذلك (صحيح البخاری، عن عائشة ام المومنين:2012)

ترجمہ: مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں باجماعت یونہی نماز پڑھاتا رہا تو یہ تم پر واجب ہوجائے گی اور تم اُسے کرنہ سکو گے؛ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور معاملہ اسی پہ رہا (نماز تراویح پھر انفراداً پڑھی جاتی رہی)۔

اس حدیث سے سمجھ میں آتا ہے کہ نماز تراویح ہجرت کے آخری سالوں میں مشروع ہوئی تھی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باجماعت نماز ادا کرنے کی کوئی دوسری روایت نہیں ملتی ہے، اور اس کے بارے میں حضرات صحابۂ کرامؓ کا کوئی سوال بھی مروی نہیں ہے۔

## رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین راتوں کے بعد تراویح کی جماعت موقوف کیوں فرمادی؟

چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مومنین کے لیے رؤف ورحیم تھے، دینی معاملات میں اپنی امت کے تئیں ہمیشہ یسر وسہولت اور تخفیف وتسہیل کے خواہاں ہوتے تھے؛ اس لیے نبی ﷺ کسی عمل کو چاہتے ہوئے بھی کبھی چھوڑ دیتے، اس اندیشے کے تحت کہ مبادا لوگوں کی طرف سے اس عمل کو اجتماعی ہیئت میں کرنے کی وجہ سے وہ واجب نہ ہوجائے اور اس کی وجہ سے وہ مشقت میں پڑ جائیں۔ آپ ﷺ نہیں چاہتے تھے کہ لوگوں کو مشقت میں ڈالیں، زمانہ نزول وحی اور تشریع احکام کا تھا، حالات وضروریات اور پیش آمدہ تقاضے وچیلنجز کے مطابق احکام خداوندی اور ہدایات ربانی نازل ہوتے تھے؛ یا تو خدشہ افتراض ہوگا یا پھر آپ کو بتادیا گیا ہوگا کہ آپ کی ہیئت اجتماعی کے ساتھ عملی مواظبت ومداومت کے باعث ممکن ہے کہ کہیں یہ نماز امت پہ لازم نہ ہوجائے؛ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسہیل وتخفیف کے پیش نظر تراویح کی امامت کرنا موقوف فرمادیا۔

زرقانی نے شرح موطا میں علامہ باجی کے حوالے سے لکھا ہے:

وَقَالَ الْبَاجِيُّ: قَالَ الْقَاضِي أَبُو بَكْرٍ يُحْتَمَلُ أَنْ يَكُونَ أَوْحَى اللَّهُ إلَيْهِ أَنَّهُ إنْ وَاصَلَ الصَّلَاةَ مَعَهُمْ فَرَضَهَا عَلَيْهِمْ، وَيُحْتَمَلُ أَنَّهُ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - ظَنَّ أَنَّ ذَلِكَ سَيُفْرَضُ عَلَيْهِمْ لِمَا

جَرَتْ عَادَتُهُ بِأَنَّ مَا دَاوَمَ عَلَيْهِ عَلَى وَجْهِ الِاجْتِمَاعِ فُرِضَ عَلَى أُمَّتِهِ، وَيُحْتَمَلُ أَنْ يُرِيدَ بِذَلِكَ أَنَّهُ خَافَ أَنْ يَظُنَّ أَحَدٌ مِنْ أُمَّتِهِ بَعْدَهُ إِذَا دَاوَمَ عَلَيْهَا وُجُوبَهَا، وَإِلَى الثَّالِثِ نَحَا الْقُرْطُبِيُّ فَقَالَ: قَوْلُهُ أَنْ يُفْرَضَ عَلَيْكُمْ أَيْ تَظُنُّونَهُ فَرْضًا فَيَجِبُ مَنْ ظَنَّ ذَلِكَ كَمَا إِذَا ظَنَّ الْمُجْتَهِدُ حِلَّ شَيْءٍ أَوْ حُرْمَتَهُ فَيَجِبُ عَلَيْهِ الْعَمَلُ بِهِ، وَقِيلَ: كَانَ حُكْمُهُ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - إِذَا وَاظَبَ عَلَى شَيْءٍ مِنَ الْأَعْمَالِ وَاقْتَدَى النَّاسُ بِهِ فِيهِ أَنَّهُ يُفْرَضُ عَلَيْهِمْ اهـ. وَلَا يَخْفَى بُعْدُهُ فَقَدْ وَاظَبَ عَلَى رَوَاتِبِ الْفَرَائِضِ وَتَابَعَهُ أَصْحَابُهُ وَلَمْ تُفْرَضْ. (شرح الزرقانی علی الموطا413/1)

صحیحین کی روایت ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کبھی ایک عمل کو چاہتے ہوئے بھی محض اس ڈر سے ترک فرمادیتے تھے کہ لوگوں کے عمل کرنے سے کہیں وہ ان پر فرض نہ ہوجائے:

إِنْ كَانَ رَسولُ اللَّهِ صلَّى اللَّهُ عليه وسلَّمَ لَيَدَعُ العَمَلَ وهو يُحِبُّ أَنْ يَعْمَلَ به؛ خَشْيَةَ أَنْ يَعْمَلَ به النَّاسُ، فيُفْرَضَ عليهم (صحيح البخاری1128 صحيح مسلم 718)

آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ تراویح کی باجماعت نماز تین راتوں کی طرح آگے بھی باقی رکھیں؛ لیکن خدشۂ افتراض کے پیش نظر اسے باجماعت مسلسل کرتے رہنے کو موقوف فرمادیا:

قدْ رَأَيْتُ الذی صَنَعْتُمْ ولَمْ يَمْنَعْنِی مِنَ الخُرُوجِ إِلَيْكُمْ إِلَّا أَنِّی خَشِيتُ أَنْ تُفْرَضَ علَيْكُم وذلكَ فی رَمَضَان. (عن عائشة أم المؤمنين، صحيح البخاری:1129).

.....میں تم لوگوں کے کام سے واقف ہوں، مجھے رات کو امامت کے لیے نکلنے سے اس کے سوا مانع نہ ہوا کہ مجھے ڈر ہوا کہ کہیں تم پر یہ نماز (تراویح) فرض نہ کردی جائے۔ یہ واقعہ رمضان کا تھا۔ (رواہ الإمام البخاری فی کتاب صلاۃ التراویح من صحیحہ، باب فضل من قام رمضان عن عائشۃ رضی اللہ عنہا (۴/۲۵۱۲۵۰ فتح)، والإمام مسلم فی کتاب المسافرین من صحیحہ، باب الترغیب فی صلاۃ التراویح (۶/۴۱ نووی)، والإمام ابوداود فی کتاب الصلاۃ من سننہ، باب فی قیام شہر رمضان برقم (۱۳۷۳) (۲/۵۰)، والإمام النسائی فی کتاب قیام اللیل وتطوع النہار من سننہ، باب قیام شہر رمضان (۳/۲۰۲)، والإمام احمد فی المسند (۶/۱۸۲ ۱۸۳)، والإمام مالک فی الموطا (۱/۱۱۳)۔

مسجد نبوی میں آپ صلی اللہ علیہ نے ایک خاص مقصد کے تحت تین راتوں کے بعد تراویح کی امامت تو موقوف فرمادی؛ لیکن حضرات صحابۂ کرامؓ کو اس بات کا پابند نہ کیا گیا تھا کہ وہ اپنے طور پہ باجماعت تراویح بھی نہ پڑھیں، اپنی سہولت وفرصت کے اعتبار سے انفرداً اور اجتماعاً دونوں حیثیتوں سے نماز تراویح ادا کی جارہی تھی؛ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن قاری جو عہد فاروقی میں محکمہ بیت المال کے

کاموں پر مامور تھے کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فیصلے (ایک امام کے تحت سب کو جمع کرنے) سے پیشتر بھی صحابۂ کرامؓ چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی شکل میں باجماعت نماز تراویح بھی ادا فرماتے تھے، یعنی صحابۂ کرامؓ میں تراویح کی چھوٹی چھوٹی جماعت کا معمول کسی نہ کسی شکل میں باقی رہا، حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں اسے اجماعِ صحابہ سے ارتقائی شکل عطا ہوئی۔ صحیح بخاری میں ان کی روایت ہے:

خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَيْلَةً فِي رَمَضَانَ إِلَى الْمَسْجِدِ، فَإِذَا النَّاسُ أَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُونَ، يُصَلِّي الرَّجُلُ لِنَفْسِهِ، وَيُصَلِّي الرَّجُلُ فَيُصَلِّي بِصَلَاتِهِ الرَّهْطُ، فَقَالَ عُمَرُ: إِنِّي أَرَى لَوْ جَمَعْتُ هَؤُلَاءِ عَلَى قَارِئٍ وَاحِدٍ لَكَانَ أَمْثَلَ، ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلَى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ. (صحيح البخاری 2010، صحيح ابن خزيمة 1100)

میں (عبدالرحمٰن بن قاری) عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ رمضان کی ایک رات کو مسجد میں گیا۔ سب لوگ متفرق اور منتشر تھے، کوئی اکیلا نماز پڑھ رہا تھا، اور کچھ کسی کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے۔ اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میرا خیال ہے کہ اگر میں تمام لوگوں کو ایک قاری کے پیچھے جمع کردوں تو زیادہ اچھا ہوگا؛ چنانچہ آپ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو ان کا امام بنادیا۔

## نماز تراویح کی مشروعیت

نماز تراویح کی بنیاد سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود رکھی ہے:

(إن اللّٰه افترض عليكم صيامه، وسنت لكم قيامه. (أخرجه أحمد (١٦٦٠)، وابن ماجه (١٣٢٨)، والنسائی ١٥٨/٤، وابن خزيمة (٢٢٠١)، والطيالسی (٢٢٤)، وابويعلى (٨٦٣)، وعبد ابن حميد (١٥٨)، والشاشی (٢٤١)، والبزار (١٠٤٨).

اس کی باجماعت ادائیگی کا آغاز بھی آپ کی سنتِ مبارکہ سے ہی ہوا۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ارشاد مبارک اور عمل مبارک، ہر دو طریقوں سے اسے نافذ کیا۔ یعنی تراویح کی مشروعیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ قولیہ اور سنتِ عملیہ دونوں سے عمل میں آئی ہے، اس کے علاوہ تراویح کی مشروعیت پہ امتِ مسلمہ کا اجماع قائم ہے، روافض کے علاوہ کسی نے بھی اس کی مشروعیت کا انکار نہیں کیا ہے، مبسوط سرخسی میں ہے:

"الأمةُ أجمعت على شَرْعِيَّتها وجوازِها، ولم ينكرها أحد من أهل العلم؛ إلا الروافض، لا بارك اللّٰه فيهم (المبسوط (١٤٣/٢).

(۱) سنن ترمذی میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی ایک طویل روایت میں آیا ہے کہ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے امام کے ساتھ قیام کیا (تراویح پڑھی) یہاں تک کہ وہ فارغ ہوجائے تو اس کے لیے پوری رات کا قیام لکھا جائے گا:

إنَّهُ من قام مع الإمامِ حتى ينصرفَ هو، كُتِبَ لهُ قيامُ ليلةٍ. (سنن الترمذی:806)

(۲) عن أبی هريرة .. أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: "من قام رمضان إيمانا واحتسابا، غفر له ما تقدم من ذنبه".

جس نے رمضان المبارک میں حصول ثواب کی نیت اور حالت ایمان کے ساتھ قیام کیا تو اس کے سابقہ تمام گناہ بخش دیے جائیں گے۔ (صحیح بخاری 37، صحیح مسلم 173).

حدیث میں وارد لفظ قیام کی تشریح فرماتے ہوئے مشہور محدث علامہ نووی کا کہنا ہے کہ اس سے مراد تہجد نہیں؛ بلکہ تراویح ہے، جس کے استحباب پہ علماء امت کا اتفاق ہے۔

"والمراد بقيام رمضان صلاة التراويح، واتفق العلماء على استحبابها" (شرح النووی على صحيح مسلم (39/6)

(۳) ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات مسجد میں نماز پڑھی۔ صحابہ نے بھی آپ کے ساتھ یہ نماز پڑھی۔ دوسری رات بھی آپ نے یہ نماز پڑھی تو نمازیوں کی تعداد بڑھ گئی، تیسری یا چوتھی رات تو پورا اجتماع ہی ہوگیا تھا؛ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس رات نماز پڑھانے تشریف نہیں لائے۔ صبح کے وقت آپ نے فرمایا کہ تم لوگ جتنی بڑی تعداد میں جمع ہوگئے تھے۔ میں نے اسے دیکھا؛ لیکن مجھے باہر آنے سے یہ خیال مانع رہا کہ کہیں تم پر یہ نماز فرض نہ ہوجائے۔ یہ رمضان کا واقعہ تھا:

وعن عائشة أم المومنين "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى ذات ليلة فى المسجد، فصلى بصلاته ناس، ثم صلى من القابلة، فكثر الناس، ثم اجتمعوا من الليلة الثالثة أو الرابعة، فلم يخرج إليهم رسول الله صلى الله عليه وسلم، فلما أصبح قال: (قد رأيت الذى صنعتم ولم يمنعنى من الخروج إليكم إلا أنى خشيت أن تفرض عليكم). وذلك فى رمضان" (صحيح البخارى 1129، صحيح مسلم 761)

مشہور محدث علامہ ابن عبدالبر مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تراویح سنت رسول ہے اور اس کی باضابطہ ترغیب وفضیلت وارد ہوئی ہے، تراویح ''ایجاد عمر فاروق'' نہیں ہے۔ حضرت فاروق اعظم نے ایک امام پہ جمع کر کے وہی کچھ کیا جو منشاء نبی تھا، آپ ﷺ نے تین راتوں سے زیادہ استمرار فرضیت کے خدشے سے نہ فرمایا تھا کہ آپ اپنی امت کے تئیں سراپا رحم دل ومہربان تھے:

"وفيه أن قيام رمضان سنة من سنن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم، مندوب إليها مرغب فيها، ولم يسن منها عمر إلا ما كان رسول اللّٰه يحبه ويرضاه وما لم يمنعه من المواظبة عليه إلا أن يفرض على أمته وكان بالمؤمنين رؤوفاً رحيماً صلى اللّٰه عليه وسلم" (الاستذكار، لابن عبد البر 6/2،2).

**امام شاطبی فرماتے ہیں کہ نماز تراویح کی امامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی، آپ کے پیچھے صحابہ نے بھی اجتماعی طور پہ ادا فرمائی:**

"فصلاة التراويح فى رمضان جماعة فى المسجد، قد قام بها رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فى المسجد، واجتمع الناس خلفه" (الاعتصام، للشاطبى (847/1).

**(۴) عبدالرحمٰن بن عبدالقاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ رمضان کی رات مسجد کی طرف گیا تو دیکھا کہ لوگ مختلف گروہوں میں تھے، کوئی اکیلا نماز پڑھ رہا تھا تو کسی کی اقتداء میں ایک گروہ نماز کی ادائیگی کر رہا تھا۔ تو عمر رضی اللہ عنہ فرمایا میرا خیال ہے کہ اگر میں انھیں ایک ہی قاری کے پیچھے جمع کر دوں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ پھر انھوں نے اس کام کا پختہ ارادہ بنالیا اور انھیں اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں جمع کر دیا۔ پھر میں ان کے ساتھ ایک دوسری رات کو نکلا اور لوگ اپنے قاری کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے تو عمر رضی اللہ عنہ فرمایا یہ اچھی ایجاد ہے اور وہ (تہجد) جسے چھوڑ کر وہ سو جاتے ہیں وہ اس (تراویح) کی نسبت بہتر ہے جس کو وہ پڑھتے ہیں۔ وہ رات کا آخری حصہ (تہجد) مراد لے رہے تھے؛ جب کہ لوگ رات کے پہلے حصہ میں (تراویح) پڑھتے تھے:**

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدٍ الْقَارِىِّ أَنَّهُ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِىَ اللَّهُ عَنْهُ لَيْلَةً فِى رَمَضَانَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَإِذَا النَّاسُ أَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُونَ يُصَلِّى الرَّجُلُ لِنَفْسِهِ وَيُصَلِّى الرَّجُلُ فَيُصَلِّى بِصَلَاتِهِ الرَّهْطُ فَقَالَ عُمَرُ إِنِّى أَرَى لَوْ جَمَعْتُ هَؤُلَاءِ عَلَى قَارِئٍ وَاحِدٍ لَكَانَ أَمْثَلَ ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلَى أُبَىِّ بْنِ كَعْبٍ ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهُ لَيْلَةً أُخْرَى وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ بِصَلَاةِ قَارِئِهِمْ قَالَ عُمَرُ نِعْمَ الْبِدْعَةُ هَذِهِ وَالَّتِى يَنَامُونَ عَنْهَا أَفْضَلُ مِنَ الَّتِى يَقُومُونَ يُرِيدُ آخِرَ اللَّيْلِ وَكَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ أَوَّلَه (صحيح البخارى:2010)

**ان احادیث سے واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود ہی تراویح کی بنیاد بھی ڈالی اور خود بھی کچھ دن نماز تراویح باجماعت بھی پڑھائی، فرض ہوجانے کے خدشہ سے جماعت ترک کر دی اور آپ ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں آپ ﷺ کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی باجماعت نماز تراویح پڑھی اور باجماعت نماز تراویح کا یہ سلسلہ آپ ﷺ کے دور مسعود سے آج تک مسلسل چلا آرہا ہے۔ ہوا**

صرف یہ کہ فاروق اعظمؓ کے فیصلے تک صحابۂ کرامؓ ایک ہی مسجد میں مختلف گروہوں اور چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی صورت میں نماز تراویح پڑھتے تھے، حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک مسجد کے تمام لوگوں کو ایک امام کے پیچھے جمع فرمادیا؛ چونکہ یہ ''آشنائے مزاج یار'' اور اتباع سنت نبی میں یگانہ و یکتائے روزگار تھے، لامحالہ ایک امام پہ سب کو جمع کرنے کا فیصلہ بھی منشاء نبوی کے عین مطابق ہی کیا ہوگا؛ اگر ذرا بھی مزاج نبوی سے انحراف ہوتا تو ہزاروں صحابہ اس پہ خاموش نہ رہتے؛ بلکہ لازماً نکیر فرماتے؛ لیکن سب کا تسلیم کرلینا بتاتا ہے کہ یہ عمل عین مزاج نبی کے مطابق انجام دیا گیا تھا۔

## مشروعیتِ تراویح کے اغراض ومقاصد

قرب خداوندی، روح کی بالیدگی اور سکون قلب کا حصول، قرآن کریم کی تلاوت سے قلب ونظر کی سرشاری، آیات واحادیث میں غور وتدبر کے ذریعے عبرت ونصیحت کا حصول، نمازیوں سے باہمی اختلاط واجتماع اور دعاء واذکار اور تلاوتوں میں باہمی اشتراک کے ذریعے اخوت ایمانی اور تعلق باہمی کی تقویت واستحکام اور صبر آزما ریاضتوں پہ اجر عظیم کا حصول اور گناہوں کی بخشش، اخوت، محبت اور مشترکہ اسلامی اقدار وروحانی ماحول سے لطف اندوزی، پریشان کن نفسانی انتشار وخلفشار، افکار وتوہمات کا ازالہ، عبادتوں میں ارتکاز وانہماک، ذاتی مصروفیات اور ہنگامہ جہاں میں اوقات کا انضباط وانتظام، رب ذو الجلال کے سامنے خود سپردگی، کبائر سے تحفظ، توبہ، استغفار، انابت جیسے بیشمار فوائد اور مشروعیت تراویح کے اغراض ومقاصد ہیں؛ لیکن قرآن کریم کی تلاوت ان میں سب سے اہم ترین مقصد ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تراویح کی مشروعیت کی سب سے اہم غرض قرآن کریم کی تلاوت ہے؛ تاکہ مسلمان کلام ربانی سن سکیں؛ کیوں کہ خود قرآن کریم کا نزول اسی ماہ میں ہوا، اور صاحب قرآن حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ اس ماہ میں آیات کا دور کیا کرتے تھے:

بَلْ مِنْ أَجْلِ مَقْصُودِ التَّرَاوِيحِ قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ فِيهَا لِيَسْمَعَ الْمُسْلِمُونَ كَلَامَ اللَّهِ. فَإِنَّ شَهْرَ رَمَضَانَ فِيهِ نَزَلَ الْقُرْآنُ وَفِيهِ كَانَ جِبْرِيلُ يُدَارِسُ النَّبِيَّ إلخ.. (مجموع الفتاوى 122/23)

قاضی ابوعلی نسفی رحمہ اللہ کا خیال یہ ہے کہ تراویح بذات خود مقصود نہیں ہے؛ بلکہ وہ دراصل ختم قرآن کے لیے مشروع ہوئی ہے؛ اس پر تفریعاً لکھتے ہیں کہ اگر تراویح میں اختتام رمضان سے قبل تراویح میں ختم قرآن ہوگیا ہو تو اب بقیہ راتوں میں تراویح نہ پڑھنے کی بھی گنجائش ہے:

قال القاضی الإمام أبو علی النسفی رحمه الله، وإذا ختم فی التراویح مرة وصلی العشاء یقیة الشهر من غیر تراویح یجوز من غیر کراهة؛ لأن التراویح ما شرعت بحق نفسها بل لاجل القرائة فیها، فالسنّة هو الختم مرة وقد ختم مرة، فلو أمرناه بالتراویح بعد ذلك أمرناه بها بحق

نفسها وإنها ما شرعت بحق نفسها. (المحيط البرهانی 460/1).

لیکن علمائے محققین فرماتے ہیں کہ تراویح پورے ماہ کے لیے مستقل مشروع ومسنون ہے، ختم قرآن کے بعد بقیہ ایام رمضان ترک تراویح مکروہ عمل ہے:

لَوْ حَصَلَ الْخَتْمُ لَيْلَةَ التَّاسِعَ عَشَرَ أَوْ الْحَادِی وَالْعِشْرِينَ لَا تُتْرَكُ التَّرَاوِيحُ فِی بَقِيَّةِ الشَّهْرِ؛ لِأَنَّهَا سُنَّةٌ، كَذَا فِی الْجَوْهَرَةِ النَّيِّرَةِ الْأَصَحُّ أَنَّهُ يُكْرَهُ لَهُ التَّرْكُ، كَذَا فِی السِّرَاجِ الْوَهَّاجِ. (الفتاوی الهندية ۱/۱۱۸)

الجوهرة النيرة میں ہے:

وَلَوْ حَصَلَ الْخَتْمُ بِلَيْلَةِ التَّاسِعِ أَوْ الْحَادِی وَالْعِشْرِينَ لَا يَتْرُكُ التَّرَاوِيحَ فِی بَقِيَّةِ الشَّهْرِ؛ لِأَنَّهَا سُنَّةٌ فِی جَمِيعِ الشَّهْرِ، قَالَ -عَلَيْهِ السَّلَامُ- وَسَنَنْت لَكُمْ قِيَامَهُ، وَلِهَذَا قِيلَ إذَا عَجَّلَ الْخَتْمَ فَالْمُسْتَحَبُّ أَنْ يَبْتَدِءَ مِنْ أَوَّلِ الْقُرْآنِ فِی بَقِيَّةِ الشَّهْرِ (الجوهرة النيرة 98/1)

محقق ابن الہمام نے اسے صیغۂ تمریض سے نقل کرتے ہوئے اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے:

ثُمَّ إذَا خَتَمَ قَبْلَ آخِرِهِ قِيلَ لَا يُكْرَه تَرْكُ التَّرَاوِيحِ فِيمَا بَقِیَ، وَقِيلَ يُصَلِّيهَا وَيَقْرَأُ فِيهَا مَا يَشَاءُ (فتح القدير 469/1)

مشہور محقق علامہ طحطاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مشروعیتِ تراویح کا مقصد ختم قرآن ہے:

لأنها شرعت لأجل ختم القرآن وقد حصل مرة الخ. (حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح، ص 414-415).

## تراویح کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

تراویح کی سنیت سے متعلق صاحب مذہب حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے تین روایات مروی ہیں:

(۱) پہلی روایت أَسَدُ بْنُ عَمْرٍو عَنْ أَبِی يُوسُفَ عن أبی حنيفة کی ہے، جس میں صاحب مذہب سے سنت موکدہ ہونے کی تصریح ہے:

وَرَوَى أَسَدُ بْنُ عَمْرٍو عَنْ أَبِی يُوسُفَ قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا حَنِيفَةَ عَنِ التَّرَاوِيحِ وَمَا فَعَلَهُ عُمَرُ؟ فَقَالَ: التَّرَاوِيحُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ إلخ (الاختيار لتعليل المختار لابن مودود الموصلی 68/1)

اکثر متون حنفیہ میں یہی مذکور ہے۔ ہدایہ میں اسی کو صحیح کہا گیا ہے، شامی وغیرہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

(۲) دوسری روایت حَسَن عَنْ أَبِی حَنِيفَةَ کی ہے جس میں مذکور ہے کہ قیام رمضان سنت ہے اسے ترک کرنا مناسب نہیں، اس روایت سے سنت غیر موکدہ ہونا مفہوم ہوتا ہے:

الْقِيَامُ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ سُنَّةٌ لَا يَنْبَغِي تَرْكُهَا (مجموعة رسائل العلامة قاسم بن قطلوبغا 241).

(۳) تیسری روایت سرخسی نے مبسوط میں ذکر کی ہے:

عَنْ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ التَّرَاوِيحَ سُنَّةٌ لَا يَجُوزُ تَرْكُهَا (مبسوط السرخسی 145/2).

یعنی تراویح کی نماز سنت ہے اسے چھوڑنا جائز نہیں ہے، اس میں گو کہ تاکّد کی تصریح تو نہیں ہے؛ تاہم ترک کے ناجائز ہونے سے تاکّد ہی مفہوم ہورہا ہے۔ (فتاوی السبکی 156/1)۔

صحیح قول کے مطابق ہمارے یہاں دس سلاموں کے ساتھ بیس رکعات تراویح مرد وعورت پر سنت موکدہ ہے۔ شافعیہ کے یہاں بھی اجماع امت کے باعث تراویح سنت ہے۔

حنابلہ کے یہاں تراویح کی شرعی حیثیت سنت موکدہ اور اسلام کے ظاہری شعائر کی ہے۔ مالکیہ کے یہاں مندوب موکد ہے۔

درمختار میں ہے:

التراويح سنة مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين (للرجال والنساء) إجماعاً (ووقتها بعد صلاة العشاء) إلى الفجر (قبل الوتر وبعده) في الأصح (الدرالمختار شرح تنوير الابصار ص94)

وفي حاشية الشامي: قَوْلُهُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ صَحَّحَهُ فِي الْهِدَايَةِ وَغَيْرِهَا، وَهُوَ الْمَرْوِيُّ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ. وَذَكَرَ فِي الِاخْتِيَارِ أَنَّ أَبَا يُوسُفَ سَأَلَ أَبَا حَنِيفَةَ عَنْهَا وَمَا فَعَلَهُ عُمَرُ، فَقَالَ: التَّرَاوِيحُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ، وَلَمْ يَتَخَرَّجْهُ عُمَرُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِهِ، وَلَمْ يَكُنْ فِيهِ مُبْتَدِعًا؛ وَلَمْ يَأْمُرْ بِهِ إلَّا عَنْ أَصْلٍ لَدَيْهِ وَعَهْدٍ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - وَفِي شَرْحِ مُنْيَةِ الْمُصَلِّي: وَحَكَى غَيْرُ وَاحِدٍ الْإِجْمَاعَ عَلَى سُنِّيَّتِهَا، وَتَمَامُهُ فِي الْبَحْرِ.

(قَوْلُهُ لِمُوَاظَبَةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ) أَيْ أَكْثَرِهِمْ لِأَنَّ الْمُوَاظَبَةَ عَلَيْهَا وَقَعَتْ فِي أَثْنَاءِ خِلَافَةِ عُمَرَ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ -، وَوَافَقَهُ عَلَى ذَلِكَ عَامَّةُ الصَّحَابَةِ وَمَنْ بَعْدَهُمْ إلَى يَوْمِنَا هَذَا بِلَا نَكِيرٍ (رد المحتار43/2).

مبسوط سرخسی 145/2 میں ہے:

"اختلفوا فيها، وينقطع الخلاف برواية الحسن عن أبي حنيفة -رحمهما الله تعالى- أن التراويح سنة، لا يجوز تركها؛ لأن النبي -صلى الله عليه وسلم- أقامها، ثم بين العذر في ترك المواظبة على أدائها بالجماعة في المسجد، وهو خشية أن تكتب علينا، ثم واظب عليها الخلفاء الراشدون".

علامہ نووی- رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"..فصلاة التراويح سنة بإجماع العلماء" (المجموع شرح المهذب، للنووی (31/4).

"صلاة التراويح سُنَّة باتفاق العلماء" (الأذكار ص (۱۸۳).

**علامہ ابن رشد مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:**

"وأجمعوا على أن قيام شهر رمضان مرغب فيه أكثر من سائر الأشهر.. وأن التراويح التى جمع عليها عمر بن الخطاب الناس مرغب فيها". (بداية المجتهد ونهاية المقتصد، لابن رشد (1/219).

المبدع لابن مفلح میں ہے: "وهى سنة سنها النبى صلى اللّٰه عليه وسلم، وليست محدثة لعمر؛ وهى من أعلام الدين الظاهرة" المبدع فى شرح المقنع، لابن مفلح (21/2).

## جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فقط تین رات ہی پڑھی تو نماز تراویح سنت موکدہ کیسے ہوگئی؟

**لزوم ووجوب کے بغیر مواظبت ومداومت کے ساتھ کبھی ترک کے ساتھ بطور عبادت انجام دیے جانے والے نبوی طریقے کو سنت (سنتِ شرعیہ) کہتے ہیں۔**

قال صدر الشريعة في شرح الوقاية، السنة ما واظب عليه النبي صلّى اللّٰه عليه وسلم مع الترك أحياناً. (كشاف اصطلاحات الفنون والعلوم981/1)

قال الجرجانى: هى الطريقة المسلوكة فى الدين فى غير افتراض ولا وجوب، فالسنة ما واظب النبى عليها مع الترك أحياناً، فإن كانت المواظبة المذكورة على سبيل العبادة فسنن الهدى، وإن كانت على سبيل العادة فسنن الزوائد. (التعريفات 54،54).

**اسی طرح منشاء رسول کے موافق صحابۂ کرامؓ اور خلفائے راشدین کے اعمال وطریقوں کو بھی سنت شرعی کہا جاتا ہے۔**

**محقق تھانوی کشاف میں ارقام فرماتے ہیں:**

الطريقة المسلوكة فى الدين من غير وجوب ولا افتراض. ونعنى بالطريقة المسلوكة ما واظب عليه النبى صلّى اللّٰه عليه وسلم ولم يترك إلّا نادرًا، أو واظب عليه الصحابة كذلك كصلاة التراويح، فإن تعلقت بتركها كراهة وإساءة فهى سنة الهدى وتسمّى سنّة مؤكّدة أيضا كالأذان والجماعة، والسّنن الرواتب كسنة الفجر والظهر والمغرب والركعتين اللتين بعد صلاة العشاء، وإلّا أى وإن لم تتعلّق بتركها كراهة وإساءة تسمّى سنن الزوائد والغير المؤكّدة، فتارك المؤكّدة يعاتب وتارك الزوائد لا يعاتب، فبالتقييد بالمسلوكة فى الدين خرج النفل وهو ما فعله النبى صلّى اللّٰه عليه وسلم مرة وتركه أخرى، فهو دون السّنن الزوائد

لاشتراط المواظبة فيها. هكذا يستفاد من البرجندى وجامع الرموز فى مسائل الوضوء. (كشاف اصطلاحات الفنون والعلوم 980/1).

علامہ شاطبی لکھتے ہیں:

يُطْلَقُ لَفْظُ "السُّنَّةِ" عَلَى مَا جَاءَ مَنْقُولًا عَنِ النَّبِيِّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- عَلَى الْخُصُوصِ، مِمَّا لَمْ يُنَصَّ عَلَيْهِ فِي الْكِتَابِ الْعَزِيزِ، بَلْ إِنَّمَا نُصَّ عَلَيْهِ من جهته عليه الصلاة والسلام. إلى أن قال:

وَيُطْلَقُ أَيْضًا لَفْظُ السُّنَّةِ عَلَى مَا عَمِلَ عَلَيْهِ الصَّحَابَةُ، وُجِدَ ذَلِكَ فِي الْكِتَابِ أَوِ السُّنَّةِ أَوْ لَمْ يُوجَدْ؛ لِكَوْنِهِ اتِّبَاعًا لِسُنَّةٍ ثَبَتَتْ عِنْدَهُمْ لَمْ تُنْقَلْ إِلَيْنَا، أَوِ اجْتِهَادًا مُجْتَمَعًا عَلَيْهِ مِنْهُمْ أَوْ مِنْ خُلَفَائِهِمْ؛ فَإِنَّ إِجْمَاعَهُمْ إِجْمَاعٌ، وَعَمَلُ خُلَفَائِهِمْ رَاجِعٌ أَيْضًا إِلَى حَقِيقَةِ الإِجْمَاعِ. (الموافقات للشاطبى 289/4).

ملاعلی قاری فرماتے ہیں:

(فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي): اسْمُ فِعْلٍ بِمَعْنَى الْزَمُوا، أَيْ: بِطَرِيقَتِي الثَّابِتَةِ عَنِّي وَاجِبًا أَوْ مَنْدُوبًا (وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ): فَإِنَّهُمْ لَمْ يَعْمَلُوا إِلَّا بِسُنَّتِي، فَالإِضَافَةُ إِلَيْهِمْ إِمَّا لِعَمَلِهِمْ بِهَا أَوْ لِاسْتِنْبَاطِهِمْ وَاخْتِيَارِهِمْ إِيَّاهَا. (مرقات المفاتيح، حديث نمبر 165).

علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خلفاء راشدین کے طریقے کو بھی سنت شرعیہ کہا جاتا ہے؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کی سنت کو سنت فرمایا ہے؛ لہٰذا حضرت فاروق اعظمؓ کے عمل کو بھی سنت شرعیہ کہا جائے گا:

أقول: إن سنة الخلفاء الراشدين أيضاً تكون سنة الشريعة لما فى الأصول أن السنة سنة الخلفاء وسنته، وقد صح فى الحديث: عليكم بسنتى وسنة الخلفاء الراشدين المهديين فيكون فعل الفاروق الأعظم أيضاً سنة (العرف الشذى شرح سنن الترمذى للكشميرى: 209/2)

اوپر کے صفحات میں بالتفصیل یہ حدیث گزر چکی ہے:

فَإِنَّهُ لَمْ يَخْفَ عَلَيَّ مَكَانُكُمْ لَكِنِّي خَشِيتُ أَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ فَتَعْجِزُوا. (بخاری924).

(مجھے تمہاری اس حاضری سے کوئی ڈر نہیں؛ لیکن مجھے اس بات کا خوف ہے کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ کردی جائے، پھر تم سے یہ ادا نہ ہوسکے)

اس سے خوب اچھی طرح واضح ہے کہ نماز تراویح پہ مداومت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر محبوب تھی؟، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس عمل محبوب کی مواظبت پہ عازم تھے۔

لیکن خشیتِ افتراض، مداومت کے اس عزمِ عملی وحقیقی کی راہ میں رکاوٹ بن گئی، صاحب وحی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب کہ یہ رکاوٹ زائل ہوگئی اور نماز تراویح کی فرضیت کا امکان بھی باقی نہیں رہا تو زوالِ علت کے بعد زوال معلول لازمی ہے؛ لہٰذا مواظبت حقیقیہ دوبارہ اپنی اصلی حالت کی طرف عود کرآئے گی؛ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابی بن کعب اور حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہما کو با جماعت تراویح قائم کرنے کا حکم دیا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اس عمل کی فضیلت کا ادراک کرتے ہوئے دل وجان سے اسے قبول کیا، پورے رمضان میں با قاعدگی اور پابندی کے ساتھ باتفاق واجماع ''صاحب وحی'' کی منشاء وسنت کے عین مطابق با جماعت نماز تراویح ادا کرتے رہے، اگر تراویح سنت موکدہ نہ ہوتی تو اس عمل کا اتنا زیادہ اہتمام خیر القرون میں نہ کیا جاتا۔

علامہ عبدالحئ فرنگی محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی عمل کی سنیت کا مدار مطلق عزمِ مواظبت ہے، کسی عارض کے باعث اگر مواظبت حقیقیہ کا تحقق نہ بھی تو بھی مواظبت حکمیہ (عزم محض ہی) اثبات سنیت کے لیے کافی وافی ہے۔

مسئلۂ مذکور میں ''خدشۂ افتراض'' جیسے عارض کے باعث ادائیگی تراویح پہ حقیقی مواظبت ممکن نہ ہوسکی؛ لیکن نفس عزم ہی اس عمل کی سنیت اور تاکّد کے لیے کافی ہے۔

قوله: فلم يمنعنى ... إلخ، ظاهره أنه كان يحب أن يصلى بالناس فى ليالى رمضان على الدوام، ولم يمنعه إلاّ خشية أن يُفرض عليهم، فاستُفيدت منه المواظبة الحُكمية وإن لم توجد المواظبة الحقيقية، ومدار السنية المواظبة مطلقاً فيكون قيام رمضان سنّة موكدة. (التعليق الممجد على موطأ محمد 620/1).

## تراویح میں جماعت کی حیثیت؟

رمضان المبارک کی ہر رات میں ہر بالغ مرد وعورت پر تراویح کی نماز پڑھنا سنت موکدہ عینیہ ہے: جب کہ ہر شرعی مسجد میں جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنا مستقل سنتِ موکدہ علی الکفایہ ہے، اگر چند افراد مسجد میں جماعت کے ساتھ تراویح پڑھ لیں تو اہلِ محلّہ کی طرف سے مسجد کی تراویح کی جماعت کی سنت ادا ہوجائے گی، اس کے بعد کچھ لوگ اپنے گھروں میں بھی با جماعت یا انفراداً تراویح پڑھیں تو کوئی گناہ نہیں؛ کیوں کہ بعض صحابہ وتابعین کا اہم ترین مقاصد وضروریات سے اپنے گھروں میں تراویح پڑھنا ثابت ہے۔

(والصحيح أن إقامتها بجماعة سُنّة على وجه الكفاية، لأنه تَخَلَّف عنها أفراد من الصحابة والتابعين كابن عمر، وعُرْوَة، والقاسم، وإبراهيم، ونافع، وسالم. وعن أبى يوسف:

أنه إن أمكنه أداوها فی بیته مع مراعاة سنة القراء ة وأشباهها فلیصلها فی بیته، إلا أن یکون فقیهاً کبیراً یُقْتَدَی به (فتح باب العنایة بشرح النقایة، الملا علی القاری343/1).

لیکن اگر مسجد میں تراویح کی بالکل جماعت نہ ہوتو تمام اہلِ محلّہ مذکورہ سنت کے ترک کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوں گے، سنن ونوافل میں تراویح کا امتیاز ہے کہ اسے باجماعت ادا کرنا نہ صرف مشروع؛ بلکہ مسنون ہے؛ کیوں کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے باجماعت ادا فرمائی اور جب صحابہ کو جماعت سے یہ نماز پڑھتے دیکھا تو اس پر نکیر نہیں فرمائی، نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اکابر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں سب کو تراویح کی ایک جماعت کے تحت جمع کردیا، تفصیل اوپر گزر چکی ہے:

وَالسُّنَّةُ إِقَامَتُهَا بِجَمَاعَةٍ لَكِنْ عَلَى الْكِفَايَةِ، فَلَوْ تَرَكَهَا أَهْلُ مَسْجِدٍ أَسَاءُوا، وَإِنْ تَخَلَّفَ عَنِ الْجَمَاعَةِ أَفْرَادٌ وَصَلَّوْا فِي مَنَازِلِهِمْ لَمْ يَكُونُوا مُسِيئِينَ. (الاختیار لتعلیل المختار لابن مودود الموصلی68/1).

ومنها أن الجماعة فی التطوع لیست بسنة إلا فی قیام رمضان. (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع (298/1).

فتاوی عالمگیری میں ہے:

والجماعة فیها سنة علی الکفایة، کذا فی التبیین وهو الصحیح، کذا فی محیط السرخسی. (کتاب الصلاة، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراویح، ج:1، ص: 116، ط: دار الفکر)

بنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

(لکن علی وجه الکفایة) ش: یعنی إذا قام بها البعض بالجماعة سقطت عن الباقین حضور الجماعة، لأن الجماعة فیها سنة علی الکفایة م: (حتی لو امتنع أهل المسجد عن إقامتها کانوا مسیئین) ش: هذه نتیجة کون الجماعة فی التراویح سنة، علی الکفایة م: (ولو أقامها البعض فالمتخلف عن الجماعة تارك للفضیلة) ش: یعنی لو أقام بعض أهل المسجد التراویح فالذی یتخلف عنهم لا یکون مسیئا بل یکون تارکًا للفضیلة، لأن سنتها بالجماعة علی الکفایة والفرض علی الکفایة إذا قام به بعض سقط عن الباقی، ففی السنة علی الکفایة بالطریق الأولی. (بنایه شرح هدایه للعینی554/2).

## اگر تراویح سنت موکدہ ہے تو امام قدوری نے اسے مستحب کیوں لکھا؟

اوپر کی سطروں میں متون حنفیہ سے ثابت کیا گیا تھا کہ صاحب مذہب سے منقول صحیح روایت کے

مطابق تراویح سنت موکدہ ہے، اب اس ذیل میں امام قدوری رحمہ اللہ کی عبارت، پھر صاحب ہدایہ کی اس کی شرح کو لے کر بعض ذہنوں کو یہ خلجان پیدا ہوتا ہے کہ آیا تراویح مستحب تو نہیں؟

کیوں کہ امام قدوری رحمہ اللہ نے ''الکتاب'' (جو ''مختصر القدوری'' کے نام سے مشہور ہے) میں لکھا:

"یستحب أن یجتمع الناس فی شهر رمضان بعد العشاء، فیصلی بهم إمامهم خمس ترویحات ..."(الکتاب 122/1).

پھر صاحب ہدایہ نے اس کی شرح کرتے ہوئے فرمایا:

"ذکر لفظ الاستحباب، والأصح أنها سنة، کذا روی الحسن، عن أبی حنیفة؛ لأنه واظب علیها الخلفاء الراشدون". (الهدایة شرح بدایة المبتدی70/2).

مبسوط سرخسی میں بھی اس اختلاف کا اجمالی حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے:

"اختلفوا فیها، وینقطع الخلاف بروایة الحسن عن أبی حنیفة - رحمهما الله تعالی- أن التراویح سنة، لا یجوز ترکها؛ لأن النبی - صلی الله علیه وسلم- أقامها، ثم بین العذر فی ترك المواظبة علی أدائها بالجماعة فی المسجد، وهو خشیة أن تکتب علینا، ثم واظب علیها الخلفاء الراشدون" (مبسوط السرخسی 145/2).

تو علامہ اکمل الدین بابرتی نے صاحب ہدایہ کی شرح "ذَکَرَ لَفْظَ الِاسْتِحْبَابِ وَالْأَصَحُّ أَنَّهَا سُنَّةٌ" پر اعتراض کرتے ہوئے دوٹوک انداز میں فرمایا ہے کہ قدوری کی عبارت کا محمل وہ نہیں ہے جو بادی النظر میں سمجھا گیا ہے، دراصل امام قدوری نے تراویح کے لیے جمع اور اکٹھا ہونے کا ذکر کرتے ہوئے اسے مستحب لکھا ہے، نفس تراویح کو انھوں نے مستحب بالکل نہیں لکھا، اس کی سنیت اپنی جگہ بدستور باقی ہے؛ لہٰذا جماعتِ تراویح کے لیے استعمال کردہ تعبیر "یستحب أن یجتمع الناس فی شهر رمضان" کو نفس تراویح کے استحباب پر محمول کرنا درست نہیں ہے۔

اکمل الدین بابرتی کا کلام ملاحظہ فرمائیں:

وَفِیهِ نَظَرٌ؛ لِأَنَّهُ قَالَ: یُسْتَحَبُّ أَنْ یَجْتَمِعَ النَّاسُ، وَهَذَا یَدُلُّ عَلَی أَنَّ اجْتِمَاعَ النَّاسِ مُسْتَحَبٌّ، وَلَیْسَ فِیهِ دَلَالَةٌ عَلَی أَنَّ التَّرَاوِیحَ مُسْتَحَبَّةٌ، وَإِلَی هَذَا ذَهَبَ بَعْضُهُمْ فَقَالَ: التَّرَاوِیحُ سُنَّةٌ وَالِاجْتِمَاعُ مُسْتَحَبٌّ. (العنایة شرح الهدایة - بهامش فتح القدیر ط الحلبی467/1).

علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

ولا ینافیه قول القدوری أنها مستحبة کما فهمه فی الهدایة عنه لأنه إنما قال یستحب

أن يجتمع الناس وهو يدل على أن الاجتماع مستحب وليس فيه دلالة على أن التراويح مستحبة كذا فى العناية وفى شرح منية المصلى وحكى غير واحد الإجماع على سنيتها. (البحر الرائق72/2، هكذا فى حاشية ابن عابدين43/2، والبناية شرح الهداية للعينى552/2).

## تراویح کی تعداد رکعات

نماز تراویح کی رکعتوں کی تعداد کے بارے میں علماء کے کئی اقوال ہیں، جن میں درج ذیل تین اقوال مشہور ومعروف ہیں:

## تراویح کی تعداد رکعات کے بارے پہلا قول:

وتر کو چھوڑ کر بیس رکعات، یہ جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کا قول ہے۔ مالکیہ کا مشہور قول بھی یہی ہے اور بعض مالکیہ نے اسی کو راجح کہا ہے۔

### مذہب حنفیہ:

شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں:

[إنها عشرون ركعة سوى الوتر عندنا، وقال مالك رحمه الله تعالى: السنة فيها ستة وثلاثون] "المبسوط" (2/144، ط. دار المعرفة) .

علامہ کاسانی فرماتے ہیں: [وأما قدرها فعشرون ركعة فى عشر تسليمات، فى خمس ترويحات، كل تسليمتين ترويحة، وهذا قول عامة العلماء]."بدائع الصنائع" (1/288، ط. دار الكتب العلمية)

كذا فى "حاشية ابن عابدين" (2/46، ط. دار الفكر): [(قوله: وهى عشرون ركعة) هو قول الجمهور، وعليه عمل الناس شرقًا وغربًا].

### مذہب مالکیہ:

علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ ہمارے یہاں بھی بیس رکعت ہی مختار وراجح ہے:

هذا هو الاختيار عندنا (الاستذكار لابن عبد البر70/2)

علامہ خلیل بن اسحاق مالکی فرماتے ہیں ہمارے زمانے میں شروع سے ہر جگہ تئیس رکعات (وتر سمیت) پر ہی لوگوں کا عمل ہے:

استمرّ العمل شرقاً وغرباً فى زماننا على الثلاثة والعشرين أى مع الوتر (التوضيح فى شرح مختصر ابن الحاجب لخليل بن إسحاق98/2)

علامہ دردیر فرماتے ہیں:

[(والتراويح): برمضان (وهى عشرون ركعة) بعد صلاة العشاء، يسلم من كل ركعتين غير الشفع والوتر. (و) ندب (الختم فيها): أى التراويح، بأن يقرأ كل ليلة جزءًا يفرقه على العشرين ركعة) "الشرح الصغير بحاشية العلامة الصاوى"(1/404-405، ط. دارالمعارف).

علامہ نفراوی لکھتے ہیں:

[(وكان السلف الصالح) وهم الصحابة (يقومون فيه) فى زمن خلافة عمر بن الخطاب رضى الله عنه وبأمره كما تقدم (فى المساجد بعشرين ركعة)، وهو اختيار أبى حنيفة والشافعى وأحمد، والعمل عليه الآن فى سائر الأمصار]. "الفواكه الدوانى" (1/318-319، ط. دار الفكر)

## مذہب شافعیہ:

علامہ نووی رحمہ اللہ شوافع کا یہی مذہب لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

[مذهبنا أنها عشرون ركعة بعشر تسليمات غير الوتر، وذلك خمس ترويحات، والترويحة أربع ركعات بتسليمتين، هذا مذهبنا، وبه قال أبو حنيفة، وأصحابه، وأحمد، وداود، وغيرهم، ونقله القاضى عِياض عن جمهور العلماء]. "المجموع" (3/527، ط. دارالفكر)

امام شافعی فرماتے ہیں کہ مجھے بیس رکعات تراویح پسند ہیں، مکہ مکرمہ میں بیس رکعات ہی پڑھتے ہیں۔(قیام اللیل للمروزی صفحہ 159)

## مذہب حنابلہ:

حنابلہ کے یہاں بھی بیس رکعت تراویح ہی مختار و پسندیدہ ہے۔

علامہ ابن قدامہ مقدسی لکھتے ہیں:

أما الحنابلة فقد صرحوا بأن المختار عند الإمام أحمد عشرون ركعة؛ فقال العلامة ابن قدامة المقدسى فى "المغنى" (1/456، ط. مكتبة القاهرة): [والمختار عند أبى عبد الله رحمه الله فيها عشرون ركعة. وبهذا قال الثورى، وأبو حنيفة، والشافعى. وقال مالك: ستة وثلاثون. وزعم أنه الأمر القديم، وتعلق بفعل أهل المدينة، فإن صالحًا مَولى التَّوأَمةِ قال: أدركت الناس يقومون بإحدى وأربعين ركعة، يوترون منها بخمس] "المغنى" (1/456، ط. مكتبة القاهرة)

علامہ بہوتی ''کشاف القناع'' (1/425، ط. دار الکتب العلمیۃ) میں حنابلہ کا معتمد مذہب نقل فرماتے ہیں:

[سميت بذلك؛ لأنهم كانوا يجلسون بين كل أربع يستريحون، وقيل: مشتقة من المراوحة، وهى التكرار فى الفعل، وهى (عشرون ركعة فى رمضان)؛ لما روى مالك عن

يزيد بن رُومان قال: كان الناس يقومون فى زمن عمر فى رمضان بثلاث وعشرين].

امام ترمذی رحمہ اللہ مذاہب ائمہ پہ تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وأكثر أهل العلم على ما روى عن عمر، وعلى، وغيرهما من أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم عشرين ركعة، وهو قول الثورى، وابن المبارك، والشافعى، وقال الشافعى: وهكذا أدركت ببلدنا بمكة يصلون عشرين ركعة".

جمہور اہل علم کا مسلک وہی ہے جو حضرت علی، حضرت عمر و دیگر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہے کہ تراویح میں بیس رکعات ہیں، حضرت سفیان ثوری، ابن مبارک اور امام شافعی کا بھی یہی مسلک ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر مکہ مکرمہ میں لوگوں کو بیس رکعات نماز تراویح پڑھتے پایا ہے۔ (سنن الترمذی 162/2)۔

## بیس رکعات تراویح کا ثبوت

١- عن السائب بن يزيد قال: "كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب فى شهر رمضان بعشرين ركعة -قال- وكانوا يقرؤون بالمئين، وكانوا يتوكؤون على عصيهم فى عهد عثمان بن عفان من شدة القيام".

(حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں رمضان المبارک کے مہینے میں حضرات صحابہ وتابعین بیس (۲۰) رکعات تراویح پڑھتے تھے اور وہ سو سو آیتیں والی سورتیں پڑھا کرتے تھے اور امیر المومنین حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں شدت قیام یعنی طول قیام کی وجہ سے اپنی لاٹھیوں پر ٹیک لگایا کرتے تھے)۔ (السنن الکبری للبیہقی 699/2)، رقم الحدیث: 4288)، مسند ابن الجعد ص: 413)، مختصر قیام اللیل وقیام رمضان وکتاب الوتر، للمقریزی (ص: 220). وصحح إسناده النووی فی المجموع شرح المہذب (32/4)، خلاصۃ الأحکام، للنووی (579/1) وابن الملقن. المنیر (351/4)۔

واضح رہے کہ اس حدیث کے صحیح ہونے پر جمہور محدثین کا اتفاق ہے، علامہ محمد بن علی نیموی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ (معتبر) ہیں، اس حدیث کی سند کو امام نووی نے اپنی کتاب ''الخلاصہ'' میں، امام ابن العراقی نے ''شرح التقریب'' میں، اور امام سیوطی نے ''المصابیح'' میں صحیح کہا ہے۔ (التعلیق الحسن علی آثار السنن: ص 246، ط: مکتبۃ البشری)۔

٢- عن يزيد بن رومان أنه قال: "كان الناس يقومون فى زمان عمر بن الخطاب فى

رمضان بثلاث وعشرين ركعة".

(حضرت یزید بن رومان رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں صحابۂ کرام تیئس (۲۳) رکعات (بشمول تین رکعات وتر) پڑھا کرتے۔ (رواہ مالک فی الموطأ 1/115، رقم الحدیث:249) والبیہقی فی السنن الکبری (699/2). قال النووی: ''لکنہ مرسل فإن یزید بن رومان لم یدرک عمر''. المجموع شرح المہذب (33/4) البدر المنیر، لابن الملقن (351/4).

واضح رہے کہ اس حدیث کی سند اگرچہ مرسل ہے؛ لیکن مرسل روایت جمہور علماء کے نزدیک حجت ہے، نیز مرسل روایت کی تائید جب دوسرے صحیح مرسل روایت سے ہوجائے تو وہ قابل حجت ہوتی ہے، یزید بن رومان کی مذکورہ روایت کی تائید حضرت یحییٰ بن سعید کی روایت:

"حدثنا وكيع، عن مالك بن أنس، عن يحيى بن سعيد، "أن عمر بن الخطاب أمر رجلا يصلي بهم عشرين ركعة"...

یحییٰ ابن سعید رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہم نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھائیں (مصنف ابن ابی شیبۃ: رقم الحدیث:7682، 163/2، ط: مکتبۃ الرشد) سے ہورہی ہے، اور یحییٰ بن سعید کی اس حدیث کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، اور مرسل ہونے کی وجہ سے یزید بن رومان کی روایت کے لیے موید بھی ہے۔

٣- عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ أَنَّ عُمَرَ أَمَرَ أُبَيًّا أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ فِي رَمَضَانَ فَقَالَ إِنَّ النَّاسَ يَصُومُونَ النَّهَارَ وَلَا يحسنون أَن (يقروا) فَلَوْ قَرَأْتَ الْقُرْآنَ عَلَيْهِمْ بِاللَّيْلِ فَقَالَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ هَذَا (شَيْءٌ) لَمْ يَكُنْ فَقَالَ قَدْ عَلِمْتُ وَلَكِنَّهُ أَحْسَنُ فَصَلَّى بِهِمْ عِشْرِينَ رَكْعَة.

حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ امیر المومنین حضرت سیدنا عمر بن خطابؓ نے مجھے رمضان المبارک میں رات کو تراویح پڑھانے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ لوگ دن میں روزہ تو رکھ لیتے ہیں؛ مگر قرآن (یاد نہ ہونے کی وجہ سے) تراویح نہیں پڑھ سکتے؛ اس لیے ان لوگوں کو رات میں تراویح پڑھاؤ۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے امیر المومنین! آپ نے ایک ایسی بات کا حکم دیا ہے، جس پر آپ ﷺ کے زمانے میں عمل نہیں رہا ہے (یعنی باجماعت تراویح پڑھنا)، حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا: میں جانتا ہوں؛ لیکن یہی بہتر ہے، تو حضرت ابی بن کعبؓ نے بیس (20) رکعات تراویح پڑھائی۔ (الاحادیث المختارۃ لضیاء الدین المقدسی: رقم الحدیث: 1161، 367/3، ط: دار خضر، إسنادہ حسن).

٤- عن أبي عبد الرحمن السلمي عن علي أنه: "دعا القراء في رمضان فأمر منهم رجلا يصلي بالناس عشرين ركعة - قال-: وكان عليٌّ يوتر بهم".

حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی نقل کرتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قاریوں کو بلایا، ان میں ایک قاری کو بیس رکعات تراویح پڑھانے پر مامور کیا؛ چنانچہ وہ قاری بیس رکعات کی جماعت کرتے تھے اور حضرت علی خود وتر کی امامت فرماتے تھے۔(البیہقی فی السنن الکبری 699/2)

۵- سائب بن برقان سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت فاروق اعظم کے زمانے میں بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے:

روی البیهقی فی المعرفة بسنده عن السائب بن البرقان، قال: کنا نقوم زمن عمر بن الخطاب بعشرین رکعة والوتر (حاشیة شرح معانی الآثار للشیخ محمد زهری ۳۵۲/۱، ووصف إسناده بأنه صحیح).

۶- عبدالعزیز بن رفیع کی روایت ہے کہ حضرت ابی بن کعب عہد فاروقی میں لوگوں کو بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھاتے تھے:

روی ابن أبی شیبة بسنده إلی حسن - عبد العزیز - قال: کان أبی ابن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینة عشرین رکعة ویوتر بثلاث. (بذل المجهود فی حل سنن أبی داود 20/6، مجلة البحوث الإسلامیة 283/26).

## تعداد رکعات کے بارے میں دوسرا قول

دوسرا قول حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا اختیار کردہ ہے، ان کا بھی ایک قول ائمہ ثلاثہ کے مطابق بیس رکعات کا ہے (بدایۃ المجتہد 219/1)۔

چونکہ ان کے یہاں عمل اہل مدینہ حجت شرعیہ ہے؛ اس لیے حضرت صالح بن نبہان مولی توامہ کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے چھتیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر کل ۳۹ رکعات کے قول کو اختیار کیا ہے، اپنی کتاب مدونہ میں لکھتے ہیں:

قَالَ مَالِكٌ: بَعَثَ إِلَيَّ الْأَمِيرُ وَأَرَادَ أَنْ يُنْقِصَ مِنْ قِيَامِ رَمَضَانَ الَّذِی كَانَ يَقُومُهُ النَّاسُ بِالْمَدِينَةِ، قَالَ ابْنُ الْقَاسِمِ: وَهُوَ تِسْعَةٌ وَثَلَاثُونَ رَكْعَةً بِالْوِتْرِ سِتٌّ وَثَلَاثُونَ رَكْعَةً وَالْوِتْرُ ثَلَاثٌ، قَالَ مَالِكٌ: فَنَهَيْته أَنْ يُنْقِصَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا، وَقُلْتُ لَهُ: هَذَا مَا أَدْرَكْتُ النَّاسَ عَلَيْهِ وَهَذَا الْأَمْرُ الْقَدِيمُ الَّذِی لَمْ تَزَلْ النَّاسُ عَلَيْهِ. (المدونة لمالك بن أنس 287/1).

ان کے اس موقف کی بنیاد صالح بن نبہان کی روایت ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ ہم نے لوگوں کو اکتالیس رکعات ادا کرتے ہوئے پایا ہے، چھتیس تراویح اور پانچ رکعات وتر کے:

وقال صَالِحٌ مَوْلَى التَّوْأَمَةِ أَدْرَكْتُ النَّاسَ قبلَ الحَرَّةِ يَقُومُونَ بإحْدَى وأرْبَعِينَ رَكْعَةً، ويُوتِرُونَ

بِخَمْسٍ، يُسَلِّمُونَ بينَ كلِّ اثْنَتَيْنِ، ويُوتِرُونَ بوَاحِدَةٍ، ويُصَلُّونَ الخَمْسَ جَمِيعًا. (رَوَاه الأثْرَمُ).

صالح بن نبہان ائمہ جرح وتعدیل کی نظروں میں ضعیف ہیں، تہذیب التہذیب میں ہے:

صالح بن نبهان – مولى التوأمة بنت أمية بن خلف – المدينى، وهو صالح بن أبى صالح، تابعى اختلف فى توثيقه، توفى سنة خمس وعشرين ومائة. (تهذيب التهذيب ٤/٤٠٥-٤٠٧).

علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ صالح بن نبہان کی اس روایت کا جائز لیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صالح ضعیف ہیں، انھوں نے اپنی روایت میں جو یہ کہا ہے کہ ہم نے لوگوں کو چھتیس رکعات پڑھتے ہوئے پایا ہے تو انھیں پتہ نہیں ہے کہ وہ کون لوگ تھے جن کے بارے میں انھوں نے یہ خبر دی ہے؟ اولاً تو یہ ثابت نہیں ہے اور اگر بالفرض یہ ثابت ہو جائے کہ مدینہ کے تمام لوگوں نے ایسا کیا ہے، تو پھر عمر، علی اور اجلائے صحابہ نے جو کیا اور جس پر جمہور صحابۂ کرامؓ نے اپنے زمانے میں اتفاق کیا تھا وہ عمل ان مجہول لوگوں کی بہ نسبت زیادہ قابل اتباع ہوگا۔

بیس سے زیادہ جو رکعات ہیں وہ اضافی ہیں، وہ اضافی رکعات تراویح کا حصہ نہ تھیں؛ بلکہ درمیان کی نفلی عبادت میں شامل تھیں۔ تراویح فقط بیس رکعات ہی تھیں۔

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

فأمَّا ما رَوَاهُ صَالِحٌ، فإنَّ صَالِحًا ضَعِيفٌ، ثم لا نَدْرِى مَن النَّاسُ الَّذِينَ أخْبَرَ عنهم؟ فَلَعَلَّه قد أدْرَكَ جَمَاعَةً من النَّاسِ يَفْعَلُونَ ذلك، وليس ذلك بِحُجَّةٍ، ثم لو ثَبَتَ أنَّ أهْلَ المَدِينَةِ كُلَّهم فَعَلُوه لَكانَ ما فَعَلَهُ عمرُ، وأجْمَعَ عليه الصَّحَابَةُ فى عَصْرِهِ، أوْلَى بالاتِّبَاعِ، قال بعضُ أهْلِ العِلْمِ: إنَّما فعلَ هذا أهْلُ المَدِينَةِ لأنَّهم أرَادُوا مُسَاوَاةَ أهْلِ مَكَّةَ، فإنَّ أهْلَ مَكَّةَ يَطُوفُونَ سَبْعًا بين كل تَرْوِيحَتَيْنِ، فَجَعَلَ أهْلُ المَدِينَةِ مكانَ كلِّ سَبْعٍ أرْبَعَ رَكَعَاتٍ، وما كان عليه أصْحَابُ رَسُولِ اللهِ –صلى اللّٰه عليه وسلم– أوْلَى وأحَقُّ أنْ يُتَّبَعَ. (المغنى لابن قدامة604/2).

## تعداد رکعات کے بارے میں تیسرا قول

تراویح کی رکعات کے سلسلے میں تیسرا موقف وتر سمیت گیارہ رکعات کا ہے، اس موقف کی بنیاد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایات ہیں:

عن عائشة رضى الله عنها، قالت: "كان النبى صلى اللّٰه عليه وسلم يصلى من الليل ثلاث عشرة ركعة منها الوتر، وركعتا الفجر". أخرجه البخارى (1138)، ومسلم (764).

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ رات میں تیرہ رکعت پڑھا کرتے تھے جس میں وتر اور فجر کی دو رکعتیں بھی شامل ہوتی تھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خبر دے رہی ہیں کہ نبی ﷺ ہمیشہ رات میں تیرہ رکعت پڑھا کرتے تھے جس میں وتر بھی ہوتی تھی اور دوگانہ فجر بھی ہوتی تھی، چاہے رمضان ہو، یا غیر رمضان حضور کا یہ معمول تھا، اور اسی طرح فجر کی دو رکعتوں کی مداومت کیا کرتے تھے، نبی ﷺ رات میں کبھی تیرہ رکعت پڑھا کرتے تھے اور کبھی گیارہ رکعت پڑھا کرتے تھے۔

جیسا کہ بخاری ہی میں حضرت عائشہ کی روایت ہے:

ما كان رَسولُ اللّٰهِ صلَّى اللّٰهُ عليه وسلَّمَ يَزيدُ فى رَمضانَ ولا فى غَيرِه على إحدَى عَشْرةَ ركعةً. (صحيح البخارى1147).

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رمضان میں حضور کی نماز کی کیفیات کے بارے میں حضرت أبوسَلمۃ بن عبدِ الرَّحمٰنِ تابعی کے ایک سوال کے جواب میں فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے۔

فجر کی دو رکعت سنت شمار کریں تو تعداد تیرہ ہو جائے گی، ورنہ گیارہ رہے گی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ دونوں روایتیں تراویح نہیں؛ بلکہ تہجد سے متعلق ہیں اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کی نماز کی کیفیات بتا رہی ہیں، تعداد رکعات بتانا مقصود نہیں ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک تہجد اور تراویح دو الگ الگ نمازیں ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح بخاری میں نمازِ تہجد کا ذکر (کتاب التہجد) میں؛ جب کہ نماز تراویح کو (کتاب صلاۃ التراویح) میں ذکر کیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا کہ دونوں نمازیں الگ الگ ہیں، اگر دونوں ایک ہی نماز ہوتی تو امام بخاری کو دو الگ الگ باب باندھنے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث انھوں نے کتاب التہجد میں ذکر فرما کر انھوں نے ثابت کر دیا کہ اس حدیث کا تعلق تہجد کی نماز سے ہے۔

غور کرنے کی بات تو یہ بھی ہے کہ تراویح تو صرف رمضان میں پڑھی جاتی ہے، اور اِس حدیث میں ایسی نماز کا ذکر ہے جو رمضان کے علاوہ ایام میں بھی پڑھی جاتی ہے۔

پھر اس حدیث میں چار چار لمبی رکعات پڑھنے اور وتر سے قبل سونے کا بھی ذکر ہے، آٹھ رکعات تراویح کے قائلین تراویح دو دو رکعت کر کے اور وتر، بعدِ تراویح، سونے سے قبل ہی کیوں پڑھ لیتے ہیں؟ عمل بالحدیث کا یہ کیسا منصفانہ طریقہ ہے کہ ایک ہی حدیث سے تعداد رکعات کی من پسند بات تو لے لی جائے اور اسی حدیث کے بقیہ اجزاء بلا عمل چھوڑ دیے جائیں!

بالفرض اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ روایت کا تعلق تراویح کی نماز سے ہی ہو تو بھلا

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک مستقل امام کے پیچھے جب باضابطہ جماعت کے ساتھ ۲۰ رکعت تراویح کا اہتمام وانتظام ہوا تو کسی ایک صحابی رسول نے بھی اِس پر کوئی تنقید کیوں نہیں کی؟

اگر ۱۱ یا ۱۳ رکعت والی حدیث تراویح کی تعداد کے متعلق ہوتی تو حضرت عمر فاروق اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کیسے ہمت ہوتی کہ وہ ۸ رکعت تراویح کی جگہ ۲۰ رکعت تراویح شروع کر دیتے؟

امام مسلم نے صحیح مسلم 154/2 میں، امام ابوداود سجستانی نے اپنی سنن 196/1 میں، امام ترمذی نے اپنی جامع 58/1 میں، امام نسائی نے اپنی سنن 154/1 میں، اور امام مالک نے اپنی موطا صفحہ 42 میں اس حدیث کو تہجد کے باب میں ذکر کیا ہے، نہ کہ تراویح کے باب میں۔

بلکہ علامہ شمس الدین کرمانی نے تو تصریح فرمادی کہ یہ حدیث تہجد کے بارے میں ہے اور حضرت ابوسلمہ کا سوال اور حضرت عائشہ کا جواب تہجد کے متعلق تھا۔ (الکوکب الدراری شرح صحیح البخاری 156/1)۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تہجد کی نماز پر محمول ہے جو رمضان اور غیر رمضان میں برابر تھی۔ (مجموعہ فتاوی عزیزی ص ۱۲۵)۔

لہٰذا واضح ہے کہ گیارہ اور تیرہ رکعات والی احادیث سے تراویح کی رکعات پر استدلال کرنا تام نہیں، دراصل ان روایات کا تعلق نماز تہجد سے ہے تراویح سے نہیں، بیس رکعت تراویح والی صریح اور واضح احادیث جنہیں ائمہ اربعہ اور جمہور علماء نے اختیار کیا ہے اور جن پر چودہ سو سالوں سے شرقاً وغرباً عمل ہوتا چلا آرہا ہے وہ تعداد رکعات تراویح کے بارے میں زیادہ قابل اتّباع ہیں۔

ہر چند کہ امام بیہقی، علامہ عدوی مالکی اور بعض دیگر علماء نے تطبیق کی ایک شکل یہ بتائی ہے کہ گیارہ رکعات والی روایت ابتدائی دور کی ہے، بعد میں توسیع ہوکر تعداد بیس رکعات کو پہنچ گئی۔

بیہقی اپنی سنن میں فرماتے ہیں:

"وَيُمْكِنُ الْجَمْعُ بَيْنَ الرِّوَايَتَيْنِ، فَإِنَّهُمْ كَانُوا يَقُومُونَ بِإِحْدَى عَشْرَةَ، ثُمَّ كَانُوا يَقُومُونَ بِعِشْرِينَ وَيُوتِرُونَ بِثَلَاثٍ، وَاللهُ أَعْلَمُ". (السنن الكبرى للبيهقي 699/2، رقم الحديث 4618).

علامہ عدوی مالکی لکھتے ہیں:

وَيُؤْخَذُ مِمَّا تَقَدَّمَ الْجَوَابُ بِأَنَّ الْإِحْدَى عَشْرَةَ كَانَتْ مَبْدَأَ الْأَمْرِ، ثُمَّ انْتَقَلَ إِلَى الْعِشْرِينَ وَلِذَلِكَ قَالَ ابْنُ حَبِيبٍ: رَجَعَ عُمَرُ إِلَى ثَلَاثَةٍ وَعِشْرِينَ رَكْعَةً. (حاشية العدوي على كفاية الطالب الرباني 462/1).

## کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بیس رکعت تراویح پڑھی ہے؟

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ان گنت صحابہ احادیث موقوفہ کے ذریعے بیس رکعت تراویح

پڑھنے کی روایات تو کرتے ہی ہیں جن کے چند نظائر پچھلے صفحات میں گزر چکے ہیں؛ بلکہ بقول ملا علی قاری رحمہ اللہ بیس رکعت تراویح کی ادائیگی پہ صحابۂ کرامؓ کا اجماع قائم ہو چکا تھا۔

"لكن أجمع الصحابة على أن التراويح عشرون ركعةً". (مرقاة شرح مشكوة، باب قيام شهر رمضان، ج:3، صفحه: 973 ط: دارالفكر، بيروت – لبنان).

لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک مرفوع حدیث میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک بیس رکعات تراویح پڑھنے کا بھی ثابت ہے۔

عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما (أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ...

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعات تراویح اور وتر ادا فرمایا کرتے تھے۔

(رواه ابن أبي شيبة في "المصنف" (2/164)، وعبد بن حميد كما في "المنتخب" (رقم653) – والطبراني في "المعجم الكبير" (11/393)، و"المعجم الأوسط" (1/243)، والبيهقي في "السنن الكبرى" (2/698).

اس روایت کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ ہے جسے بعض محدثین نے ضعیف کہا ہے (التمہید 115/8، السنن الکبری للبیہقی 698/2، مجمع الزوائد للہیثمی 173/3)۔

جب کہ دیگر بعض محدثین نے اسے ثقہ و معتبر مانتے ہوئے اس کی روایت کو قبول کیا ہے، مثلاً:

امام شعبہ بن الحجاج م 160ھ نے ابوشیبہ سے روایت لی ہے۔ (تہذیب الکمال للمزی: ج1 ص268، تہذیب التہذیب: ج1 ص136).

اور امام شعبہ ثقہ اور صحیح الاحادیث راوی سے ہی روایت لیتے ہیں۔

اسی طرح امام ابن عدی فرماتے ہیں: له أحاديث صالحة – ابوشیبہ کی روایت لی جاسکتی ہے۔ (تہذیب الکمال ج1 ص270)

مزید فرماتے ہیں: وهو وإن نسبوه إلى الضعف خير من إبراهيم بن أبي حية – محدثین نے اگرچہ ابوشیبہ کو ضعیف کہہ دیا ہے؛ لیکن وہ ابراہیم بن ابی حیہ سے زیادہ بہتر ہے۔ (تہذیب الکمال ج1 ص270)۔

اور ابراہیم بن ابی حیہ کے بارے میں امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: شيخ ثقة كبير. (لسان المیزان ج1 ص53، رقم الترجمۃ 127)۔

لہٰذا جب ابراہیم بن ابی حیہ ثقہ ہے تو ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ بدرجہ اولی ثقہ ہونا چاہیے۔

علاوہ ازیں اس حدیث کو ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ سے روایت کرنے والے چار محدثین ہیں:

1: یزید بن هارون: (مصنف ابن ابی شیبة: ج5 ص225).

2: علی بن جعد: (المعجم الکبیر للطبرانی: ج5ص433 رقم 11934).

3: ابو نعیم فضل بن دکین: (المنتخب من مسند عبد بن حمید: ص218 رقم 653).

4: منصور بن ابی مزاحم: (السنن الکبریٰ للبیهقی: ج2ص496).

اور یہ چاروں حضرات ثقہ ہیں:

1: یزید بن هارون:ثقة، متقن- (تقریب التهذیب ص637).

2: علی بن جعد:ثقة، صدوق- (سیر اعلا م النبلاء للذهبی: ج7 ص579).

3: ابو نعیم فضل بن دکین: ثقة ثبت- (تقریب التهذیب ص475).

4: منصور بن أبی مزاحم:ثقة- (تقریب التهذیب ص576).

ان ثقہ وعظیم محدثین کا ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ سے بیس رکعت تراویح نقل کرنے میں متفق ہونا قوی تائید ہے کہ یہ حدیث ثابت وصحیح ہے ورنہ یہ ثقہ حضرات اس طرح متفق نہ ہوتے۔

اس تفصیل سے بخوبی واضح ہے کہ اس روایت کو تلقی بالقبول حاصل ہے۔اور قاعدہ ہے کہ اگر کسی روایت کو تلقی بالقبول حاصل ہوجائے تو روایت صحت کا درجہ پالیتی ہے۔

لہٰذا تلقی بالقبول کی وجہ سے اس روایت کا ضعف ختم ہوگیا اور حدیث صحیح وحجت اور قابل اعتبار واستناد ہوگئی (ماخوذ از مقالہ ''بیس رکعت تراویح'' مولانا الیاس گھمن حفظہ اللہ)۔

بفرض محال اگر اس روایت کو ضعیف مان بھی لیا جائے تو آنحضرت صلی اللہ وعلیہ وسلم کے عمل کو صحابہ کرام سے زیادہ کون جان سکتا ہے؟، جب صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اجمین کا بیس رکعت تراویح پر اجماع واتفاق ہے تو یہ بجائے خود سو دلیلوں کی ایک دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک تراویح میں بیس رکعت پڑھنا ہی تھا، ہاں تہجد کا معمول مبارک آٹھ رکعت پڑھنے کا تھا جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں؛ لہٰذا تراویح کی بیس رکعات کا تعین راست حضور کی سنت وعادت سے بھی ہوگیا اور اصحاب رسولؐ کے آثار سے بھی۔

## نماز تراویح میں ختم قرآن؟

رمضان المبارک میں نماز تراویح میں قرآن پاک کو مکمل کرنے کے بارے میں فقہاء کرام کی آراء مختلف ہیں:

**حنفیہ:**

حنفیہ کے نزدیک ایک مرتبہ قرآن شریف ختم کرنا (پڑھ کر یا سن کر) سنت ہے، دوسری مرتبہ فضیلت ہے اور تین مرتبہ افضل ہے، لہٰذا اگر ہر رکعت میں تقریباً دس آیتیں پڑھی جائیں تو ایک مرتبہ بسہولت ختم ہوجائے گا اور مقتدیوں کو بھی گرانی نہ ہوگی؛ تاہم لوگوں کی سستی کی وجہ سے حتی الامکان سنت کو نہیں چھوڑنا چاہیے۔

وصرح فی الهداية بأن أكثر المشايخ على أن السنة فيها الختم وفی مختارات النوازل أن يقرأ فی كل ركعة عشر آيات وهو الصحيح لأن السنة فيها الختم لأن جميع عدد الركعات فی جميع الشهر ستمائة ركعة وجميع آيات القرآن ستة آلاف اهـ .

ونص فی الخانية على أنه الصحيح وفی فتح القدير وغيره وإذا كان إمام مسجد حيه لا يختم فله أن يترك إلى غيره فالحاصل أن المصحح فی المذهب أن الختم سنة. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق 72/2).

(قَوْلُهُ وَالْخَتْمُ مَرَّةً سُنَّةٌ) أَيْ قِرَاءَةُ الْخَتْمِ فِي صَلَاةِ التَّرَاوِيحِ سُنَّةٌ وَصَحَّحَهُ فِي الْخَانِيَّةِ وَغَيْرِهَا، وَعَزَاهُ فِي الْهِدَايَةِ إلَى أَكْثَرِ الْمَشَايِخِ. وَفِي الْكَافِي إلَى الْجُمْهُورِ، وَفِي الْبُرْهَانِ: وَهُوَ الْمَرْوِيُّ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَالْمَنْقُولُ فِي الْآثَارِ. قَالَ الزَّيْلَعِيُّ: وَمِنْهُمْ مَنْ اسْتَحَبَّ الْخَتْمَ فِي لَيْلَةِ السَّابِعِ وَالْعِشْرِينَ رَجَاءَ أَنْ يَنَالُوا لَيْلَةَ الْقَدْرِ، لِأَنَّ الْأَخْبَارَ تَظَاهَرَتْ عَلَيْهَا. وَقَالَ الْحَسَنُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ: يَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ عَشْرَ آيَاتٍ وَنَحْوَهَا، وَهُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّ السُّنَّةَ الْخَتْمُ فِيهَا مَرَّةً وَهُوَ يَحْصُلُ بِذَلِكَ مَعَ التَّخْفِيفِ لِأَنَّ عَدَدَ رَكَعَاتِ التَّرَاوِيحِ فِي الشَّهْرِ سِتُّمِائَةِ رَكْعَةٍ وَعَدَدَ آيِ الْقُرْآنِ سِتَّةُ آلَافِ آيَةٍ وَشَيْءٌ. اهـ.(رد المحتار46/2).

**شافعیہ:**

شافعیہ کا خیال ہے کہ تراویح میں قرآن کو ختم کرنا مندوب ہے، یہاں تک کہ پورے ماہ میں ایک سورت کا دہرانا بھی کافی ہے؛ تاہم مخصوص سورتوں کو دہرانے سے ختم قرآن بہتر ہے۔ ختم قرآن کرتے ہوئے سورتیں قرآنی ترتیب کے مطابق ترتیب وار پڑھی جائیں رمضان کے پورے مہینے میں ہر روز قرآن کا ایک جزو پڑھنا چاہیے:

قَالَ الْإِسْنَوِيُّ: التَّرَاوِيحُ سُنَّةٌ بِالْإِجْمَاعِ، وَأَفْتَى ابْنُ الصَّلَاحِ وَابْنُ عَبْدِ السَّلَامِ بِأَنَّ خَتْمَ الْقُرْآنِ فِي مَجْمُوعِهَا أَفْضَلُ مِنْ قِرَائَةِ سُورَةِ الْإِخْلَاصِ ثَلَاثًا فِي كُلِّ رَكْعَةٍ. (حاشية قليوبی وعميرة 248/1).

**حنابلہ:**

حنابلہ کے یہاں رمضان المبارک کے پورے مہینے میں نماز تراویح میں ختم قرآن مستحب ہے،ان کے یہاں بہتر یہ ہے کہ امام پہلی رات میں سورۃ البقرہ مکمل پڑھے۔

بقیہ راتوں میں مقدار قرآءت کی تحدید نہیں ہے:

(ويستحب أن لا ينقص عن ختمة فى التراويح) ليسمع الناس جميع القرآن (ولا) يستحب (أن يزيد) الإمام على ختمة، كراهية المشقة على من خلفه، نقله فى "الشرح" عن القاضى، وقال: قال أحمد: يقرأ بالقوم فى شهر رمضان ما يخفف عليهم، ولا يشق، سيما فى الليالى القصار انتهى (إلا أن يوثروا) زيادة على ذلك. (كشاف القناع عن متن الإقناع 59/3، المغنى لابن قدامة 606/2)

**مالکیہ:**

مالکیہ کے یہاں بھی پورے مہینے کی تراویح میں قرآن پاک ختم کرنا سنت تو نہیں ہے؛البتہ مندوب وبہتر ضرور ہے؛ تاکہ نماز پڑھنے والے پورا قرآن سن سکیں،ان کے ہاں بھی ہر نماز میں پڑھنے کی مقدار متعین نہیں کی گئی،ایک سورہ کا اعادہ بھی پوری تراویح کے لیے کافی ہے:

قَوْلُهُ: (وَنُدِبَ الْخَتْمُ فِيهَا): قَالَ ابْنُ عَرَفَةَ فِيهَا لِمَالِكٍ وَلَيْسَ الْخَتْمُ بِسُنَّةٍ وَلِرَبِيعَةَ لَوْ أُقِيمَ بِسُورَةٍ أَجْزَأَهُ، اللَّخْمِيُّ وَالْخَتْمُ أَحْسَنُ (حاشية الصاوى على الشرح الصغير = بلغة السالك لأقرب المسالك 405/2)

وَالْخَتْمُ فِيهَا وَسُورَةٌ تُجْزِءُ. (ش) يَعْنِى أَنَّهُ يُسْتَحَبُّ خَتْمُ الْقُرْآنِ كُلِّهِ فِى التَّرَاوِيحِ أَىْ: فِى جَمِيعِ الشَّهْرِ إنْ أَمْكَنَ لِيُوقِفَ الْمَأْمُومِينَ عَلَى سَمَاعِ جَمِيعِهِ، وَالسُّورَةُ فِى جَمِيعِ الشَّهْرِ تَكْفِى عَنْ طَلَبِ قِرَاءَةِ الْخَتْمِ فَيَسْقُطُ الطَّلَبُ بِذَلِكَ هَذَا هُوَ الْمُرَادُ بِالإِجْزَاءِ (شرح الخرشى على مختصر خليل- ومعه حاشية العدوى8/2)

تو احناف وحنابلہ کے نزدیک ختم قرآن سنت ہے اور مالکیہ وشوافع کے نزدیک سنت نہیں؛ مندوب ہے، چند سورتوں کے تکرار سے بھی ان کے یہاں تراویح پڑھی جاسکتی ہے۔

**کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تراویح میں ختم قرآن ثابت ہے؟**

رمضان ہو یا غیر رمضان، رات کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدار قرا،ت میں ایسی کوئی لازمی اور واجبی حد بندی نہیں فرمائی ہے کہ اس سے کمی بیشی کی اجازت ہی نہ ہو؛ بلکہ حالات وتقاضے کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت مختصر اور مطول دونوں طرح ہوتی تھی؛لیکن طویل قرآءت

آپ کو محبوب تھی، پچھلے صفحات میں قاضی ابوعلی نسفی اور ابن تیمیہ کے حوالے سے یہ بات گزر چکی ہے کہ مشروعیتِ تراویح کے اہم ترین مقاصد میں سے تلاوت اور ختم قرآن بھی ہے۔

یعنی کہ تلاوت اور ختم قرآن کے اجلّ مقاصد کے لیے تراویح کی مشروعیت عمل میں آئی ہے، پھر رمضان کا مبارک مہینہ تو ہے ہی نزول قرآن کا، نبی کریم ﷺ کا رمضان المبارک کی راتوں میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ اس وقت تک نازل شدہ پورے قرآن کریم کا عام زندگی میں ایک دفعہ اور حیات مبارکہ کے آخری رمضان المبارک میں دو دفعہ دور کرنے کا ذکر ملتا ہے (أخرجہ البخاری (6) واللفظ لہ، ومسلم (2308)، جس سے حضور کے رمضان میں ختم قرآن کا صریح ثبوت ملتا ہے، ویسے اس ماہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدار قرأت مختلف ہوتی تھی کبھی آپ ﷺ ہر رکعت میں سورہ المزمل (بیس آیات) پڑھتے تھے اور کبھی پچاس آیات پڑھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو شخص رات میں دس آیات پڑھے وہ غافلین میں نہیں لکھا جائے گا اور جو سو آیات پڑھے گا وہ قانتین میں لکھا جائے گا اور جو دو سو آیات پڑھے وہ فائزین میں لکھا جائے گا۔ یعنی کامیاب و کامران لوگوں میں اس کا شمار ہوگا۔ (سنن دارمی 3489)

بلکہ ایک رات تو بیمار ہونے کی حالت میں بھی آپ نے سورۃ البقرہ، آل عمران، النساء، المائدہ، الانعام، الاعراف، اور سورۃ التوبہ تلاوت فرمائی۔

حضرت حذیفہ بن الیمان کے قصے میں ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت میں ''البقرہ'' پھر ''النساء'' پھر ''آل عمران'' پڑھا اور آپ کی تلاوت ٹھہر ٹھہر کر ترتیل کے ساتھ ہوتی تھی۔ (اسلام ویب سے ماخوذ)۔

ویسے ذخیرہ احادیث میں صریح طور پہ یہ تو نہیں ملتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح میں قرآن ختم و مکمل کیا ہو؛ لیکن متعدد روایتوں میں اس بات کا اشارہ ضرور ملتا ہے کہ رمضان میں ایک ختم نہیں؛ بلکہ تین تین ختم قرآن سنت رسول سے ثابت ہے۔

مثلاً: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مختلف قراء کو طلب فرمایا اور ان سے قرآن کریم کی تلاوت کروائی ان میں جس کی پڑھنے کی رفتار سب سے زیادہ تھی اس کو ہر رکعت میں تیس، تیس آیات پڑھنے کو فرمایا، درمیانی رفتار والے کو پچیس، پچیس آیات اور سب سے ہلکی رفتار والے کو بیس، بیس آیات پڑھنے کو ارشاد فرمایا، اس روایت سے سب سے زیادہ رفتار والے شخص کا کم از کم تین قرآنِ پاک یا اس سے بھی کچھ زیادہ ہی پڑھنا ثابت ہوتا ہے؛ کیوں کہ پورے مہینے تیس دن ہونے کی صورت میں تراویح کی چھ سو رکعات بن جاتی ہیں اور قرآن کریم کی کُل آیات اختلاف کے باوجود چھ ہزار تو ہیں ہی، تو اس طرح بھی کم از کم

اٹھارہ ہزار آیات یعنی تین قرآن کا ختم ہونا ثابت ہوتا ہے۔ظاہر ہے حضرت عمر اپنے من سے ایسا بالکل نہیں کر سکتے، لامحالہ ان کے پیش نظر اس بابت حضور کی کوئی سنت ضرور ہوگی جس کی بنیاد پر قراء کو ایک سے تین ختم تک کرنے پر مامور کر رہے ہیں، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سنت کی طرح اپنے خلفاء راشدین کی سنت کی اتّباع کا بھی حکم فرماتے ہیں، جس سے واضح ہے کہ حسب موقع وحال ایک سے تین ختم کرنا سنت سے ثابت ہے، سنن بیہقی میں ہے:

"دعا عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنه بثلاث قراء فاستقرأهم، فأمر أسرعهم قراءة أن يقرأ للناس ثلاثين آية، وأمر أوسطهم أن يقرأ خمسا وعشرين، وأمر أبطأهم أن يقرأ للناس عشرين آية". (ص:700، ج:2، باب قدر قراءتهم فی قيام شهر رمضان، ط: دارالكتب العلمية)

حضراتِ صحابہ تراویح پڑھ کر اتنی تاخیر سے گھر لوٹتے کہ طلوع فجر کا خدشہ ہوجاتا اور سحری کی فکر ہونے لگتی تھی:

"عن عبد اللّٰہ بن أبی بكر أنه قال: سمعت أبی يقول: "كنا ننصرف من القيام فی رمضان فنستعجل الخادم بالطعام مخافة الفجر". (سنن بيهقی ص:701، ج:2، باب قدر قراءتهم فی قيام شهر رمضان، ط: دار الكتب العلمية، وموطأ مالك رقم254)

اتنی تاخیر جب ہی متصور ہے کہ صحابۂ کرامؓ کا معمول مکمل قرآن پڑھنے کا رہا ہو، قصار مفصل سے پڑھنے کی صورت میں اتنی تاخیر کیسے ہوسکتی ہے؟

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کی ایک رات باہر تشریف لے گئے اور کچھ لوگوں کو مسجد کے کنارے نماز پڑھتے دیکھا تو حضور نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! انھیں قرآن یاد نہیں ہے اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''انھوں نے اچھا کیا، انھوں نے ٹھیک کیا ہے''۔

"عن ابن الهاد، أن ثعلبة بن أبی مالك القرظی، حدثه قال: خرج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ عليه وسلم ذات ليلة فی رمضان فرأى ناسا فی ناحية المسجد يصلون، فقال: "ما يصنع هولاء؟" قال قائل: يا رسول اللّٰہ، هولاء ناس ليس معهم قرآن وأبی بن كعب يقرأ وهم معه يصلون بصلاته قال: "قد أحسنوا، أو قد أصابوا". (سنن بيهقی ص:697، ج:2، باب من زعم أنها بالجماعة أفضل لمن لا يكون حافظا للقرآن، ط: دار الكتب العلمية)

اس حدیث میں حضور کے استفسار کے جواب میں حاضرین میں سے کسی کا یہ کہنا کہ ان کو قرآن نہیں آتا، لامحالہ اس کا مطلب یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ان کو اتنا بھی قرآن نہیں آتا کہ جس سے خود سے اپنی

نماز پڑھ سکیں؛ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کو پورا قرآن نہیں آتا اور یہ پورا قرآن سننے کے لیے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں تراویح کے لیے جمع ہوئے ہیں پھر حضور کا ان کی تحسین وتائید کرنا ختم قرآن کو ثابت وبرقرار رکھتا ہے؛ لہٰذا ختم قرآن تقریر رسول سے ثابت ہوا۔

مصنف عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ صحابہ دیر شب تک تراویح پڑھ کر اپنے گھروں کو تین چوتھائی رات گزرنے کے بعد بالکل فجر کے قریب واپس آتے تھے:

عن السائب بن يزيد قال: كنا ننصرف من القيام على عهد عمر، وقد دنا فروع الفجر، وكان القيام على عهد عمر ثلاثة وعشرين ركعة". (مصنف عبد الرزاق ص:11، ج:5، كتاب الصيام، باب قيام رمضان، ط: دار التأصيل)

"وعن الحسن قال: كان الناس يقومون فى رمضان، فيصلون العشاء حين يذهب ربع الليل، وينصرفون، وعليهم ربع آخر".(مصنف عبد الرزاقص:12، ج:5، كتاب الصيام، باب قيام رمضان، ط: دار التأصيل)

اتنی تاخیر سے گھر لوٹنا تبھی ہوسکتا ہے کہ جب پورا پورا قرآن ختم کرنے کا معمول ہو، قصار مفصل سے پڑھنے کی صورت میں اتنی تاخیر ممکن نہیں ہے۔

بیہقی کی روایت میں ہے کہ صحابۂ کرامؓ تراویح میں اتنی لمبی اور دیر تک تلاوت کرتے کہ شدت قیام کے باعث انھیں اپنی لاٹھیوں پہ سہارا لینا پڑجاتا تھا:

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ: "كَانُوا يَقُومُونَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ -رضى اللّٰه عنه- فِى شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً". قَالَ: "وَكَانُوا يَقْرَوونَ بِالمِئِينِ، وَكَانُوا يَتَوَكَّؤُونَ عَلَى عِصِيِّهِمْ فِى عَهْدِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ -رضى اللّٰه عنه- مِنْ شِدَّةِ القِيَامِ" (بيهقى698/2)

مبسوط سرخسی میں ہے:

أَصْلُهُ مَا رُوِىَ عَنْ عُمَرَ -رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ- أَنَّهُ دَعَا ثَلَاثَةً مِنَ الْأَئِمَّةِ وَاسْتَقْرَأَهُمْ فَأَمَرَ أَحَدَهُمْ أَنْ يَقْرَأَ فِى كُلِّ رَكْعَةٍ ثَلَاثِينَ آيَةً وَأَمَرَ الْآخَرَ أَنْ يَقْرَأَ فِى كُلِّ رَكْعَةٍ خَمْسَةً وَعِشْرِينَ آيَةً وَأَمَرَ الثَّالِثَ أَنْ يَقْرَأَ فِى كُلِّ رَكْعَةٍ عِشْرِينَ آيَةً. (المبسوط للسرخسى246/2).

بدائع الصنائع میں ہے:

لِأَنَّهُ رُوِىَ أَنَّ عُمَرَ دَعَا بِثَلَاثَةٍ مِنَ الْأَئِمَّةِ فَاسْتَقْرَأَهُمْ وَأَمَرَ أَوَّلَهُمْ أَنْ يَقْرَأَ فِى كُلِّ رَكْعَةٍ بِثَلَاثِينَ آيَةً، وَأَمَرَ الثَّانِىَ أَنْ يَقْرَأَ فِى كُلِّ رَكْعَةٍ خَمْسَةً وَعِشْرِينَ آيَةً، وَأَمَرَ الثَّالِثَ أَنْ يَقْرَأَ فِى كُلِّ رَكْعَةٍ عِشْرِينَ آيَةً (289/1). (فتویٰ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاون)۔

ان نصوص سے واضح ہے کہ تراویح میں ختم قرآن اصحابِ رسولؐ کا معمول تھا، اور وہ ایسا تب ہی کر سکتے ہیں؛ جب کہ اس بابت انھیں حضور ﷺ کے منشاء ومرضی کا علم ہو، سنتِ رسول کی اتباع وتعمیل میں انجام دیے جانے والے افعال صحابہ بھی سنت کے زمرے میں ہی آتے ہیں، جیسا کہ اس سے قبل ملاعلی قاری کے حوالے سے ہم نقل کر چکے ہیں، پھر جب اصحابِ رسولؐ کی اس تطویل قرارت کو صاحب شرع کی تائید وتقریر بھی حاصل ہو جائے تو بھلا پھر تراویح میں تکمیل قرآن کی سنیت کے ثبوت کے تئیں کیا شبہ باقی رہ سکتا ہے؟

ہاں! طرق ثبوت میں فرق ضرور ہے۔ عبارت النص کی بجائے اشارۃ النص سے سنیت ثابت ہو رہی ہے؛ لیکن استنباطِ احکام کے باب میں یہ طریقہ بھی تسلیم شدہ ہے۔

## کیا لوگوں کی سستی وکاہلی کے باعث ختم قرآن ترک کیا جا سکتا ہے؟

ہمارے یہاں تراویح میں ختم قرآن کی حیثیت سنت کی ہے، پھر اس سنت کے بھی تین درجات ہیں:

(۱) ادنیٰ (۲) اوسط اور (۳) اعلیٰ!

ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے علاوہ دس آیات پڑھنا ادنی، بیس آیات پڑھنا اوسط اور تیس آیات پڑھنا اعلیٰ سنت ہے، جیسا کہ حضرت فاروق اعظم کے مذکورہ فیصلے میں آچکا۔

اگر کسی علاقے کے لوگ اتنے بدشوق اور کم ہمت ہوں کہ ہر رکعت میں دس آیات سننے کو بھی برداشت نہ کریں تو کیا ان کی کم ہمتی، بدشوقی اور کاہلی کے باعث اس سنتِ قرات (پورے ماہ میں ایک ختم قرآن) کو ترک کر قصار مفصل کی مقدار (سورہ فاتحہ کے علاوہ تین آیات کے برابر) پڑھنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟

اس بارے میں فقہ حنفی کی بعض کتابوں میں مذکور ہے کہ طول قرارت سے زیادہ تکثیر جماعت اہم ہے، نیز جب مغرب کی فرض میں تین چھوٹی آیات پڑھنے کی ہدایت ہے تو تراویح تو اس سے بھی اخف ہے، اس میں تو یہ گنجائش بدرجۂ اولیٰ ہوگی؛ اس لیے مقتدیوں کی گرانی اور ویرانی مسجد جیسی تکلیف دہ صورت حال میں دس آیات کی بجائے تین چھوٹی آیات پڑھنے کی گنجائش ہے، الاختیار لتعلیل المختار میں ہے:

وَالْأَفْضَلُ فِي زَمَانِنَا مِقْدَارُ مَا لَا يُؤَدِّي إِلَى تَنْفِيرِ الْقَوْمِ عَنِ الْجَمَاعَةِ (الاختيار لتعليل المختار 70/1).

بدائع الصنائع میں ہے:

وَأَمَّا فِي زَمَانِنَا فَالْأَفْضَلُ أَنْ يَقْرَأَ الْإِمَامُ عَلَى حَسَبِ حَالِ الْقَوْمِ مِنَ الرَّغْبَةِ وَالْكَسَلِ فَيَقْرَأُ قَدْرَ مَا لَا يُوجِبُ تَنْفِيرَ الْقَوْمِ عَنِ الْجَمَاعَةِ؛ لِأَنَّ تَكْثِيرَ الْجَمَاعَةِ أَفْضَلُ مِنْ تَطْوِيلِ الْقِرَاءَةِ (بدائع الصنائع للكاساني 289/1)

محیط برہانی میں ہے:

نوع آخر فی بیان قدر القراءۃ فی التراویح

اختلف المشایخ فیه، قال بعضهم؛ یقرأ فی کل رکعة کما یقرأ فی المغرب؛ لأن التراویح أخف من أخف المکتوبات، وقال بعضهم: یقرأ فی کل رکعة کما یقرأ فی العشاء، وقال بعضهم: یقرأ فی کل رکعتین فی عشرین أیة إلی مائتین (459/1)

مقتدیوں پہ تخفیف وتسہیل کے مقصد سے تین آیتیں پڑھنے کی گنجائش گوکہ ہمارے بعض مشائخ متاخرین نے دی ہے؛ لیکن اس سے توختم قرآن ہو ہی نہیں سکتا، مذہب احناف میں صحیح ترین قول اس کے برخلاف ہے، جمہور احناف کا اصح قول ختم قرآن کا ہے، سفر اور دیگر عوارض وضروریات کے وقت تو ایسی عارضی اور وقتی گنجائش نکل سکتی ہے؛ لیکن معتدل ونارمل حالات میں قرآءت کی سنت ادنی کی تعمیل کی بجائے سورہ تراویح پڑھنا مکروہ تنزیہی؛ جب کہ اس کا مستقل معمول بنالینا مکروہ تحریمی ہے، حالت مرض میں سبع طوال پڑھنے والے پیشوائے اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ محبوبہ کو لوگوں کی رضا جوئی کی بھینٹ نہیں چڑھایا جاسکتا۔ ختم قرآن کی رعایت بہرطور ہوگی، صاحب مذہب حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے حسن کی روایت میں ایک ختم قرآن کی سنیت مصرح ہے، اصح یہی ہے کہ قرآن مکمل کیا جائے، لوگوں کی سستی کے باعث ایک ختم قرآن کی سنیت کو ترک نہیں کیا جاسکتا، ہدایہ میں ہے:

ولم یذکر قدر القراءة فیها وأکثر المشایخ رحمهم الله علی أن السنة فیها الختم مرة فلا یترك لکسل القوم بخلاف ما بعد التشهد من الدعوات حیث یترکها لأنها لیست بسنة". (الهدایة فی شرح بدایة المبتدی (المرغینانی) (70/2).

علامہ ابن نجیم مصری لکھتے ہیں:

وَصَرَّحَ فِی الْهِدَایَةِ بِأَنَّ أَکْثَرَ الْمَشَایِخِ عَلَی أَنَّ السُّنَّةَ فِیهَا الْخَتْمُ وَفِی مُخْتَارَاتِ النَّوَازِلِ أَنْ یَقْرَأَ فِی کُلِّ رَکْعَةٍ عَشْرَ آیَاتٍ وَهُوَ الصَّحِیحُ لِأَنَّ السُّنَّةَ فِیهَا الْخَتْمُ لِأَنَّ جَمِیعَ عَدَدِ الرَّکَعَاتِ فِی جَمِیعِ الشَّهْرِ سِتُّمِائَةِ رَکْعَةٍ وَجَمِیعُ آیَاتِ الْقُرْآنِ سِتَّةُ آلَافٍ اهـ.

وَنَصَّ فِی الْخَانِیَّةِ عَلَی أَنَّهُ الصَّحِیحُ وَفِی فَتْحِ الْقَدِیرِ وَغَیْرِهِ وَإِذَا کَانَ إمَامُ مَسْجِدِ حَیِّهِ لَا یَخْتِمُ فَلَهُ أَنْ یَتْرُکَ إلَی غَیْرِهِ فَالْحَاصِلُ أَنْ الْمُصَحَّحَ فِی الْمَذْهَبِ أَنَّ الْخَتْمَ سُنَّةٌ. (البحر الرائق شرح کنز الدقائق 74/2، فتح القدیر للکمال ابن الهمام وتکملته ط الحلبی469/1، البنایة شرح الهدایة (بدر الدین العینی) 557/2، الجوهرة النیرة علی مختصر القدوری 98/1، ملتقی الأبحر203، فتح باب العنایة بشرح النقایة لعلی القاری343/1).

محقق زیلعی لکھتے ہیں:

وَرَوَى الْحَسَنُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ عَشْرَ آيَاتٍ وَنَحْوِهَا وَهُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّ السُّنَّةَ فِيهَا الْخَتْمُ مَرَّةً وَهُوَ يَحْصُلُ بِذَلِكَ مَعَ التَّخْفِيفِ لِأَنَّ عَدَدَ رَكَعَاتِ التَّرَاوِيحِ فِي الشَّهْرِ سِتُّمِائَةِ رَكْعَةٍ وَعَدَدُ آيِ الْقُرْآنِ سِتَّةُ آلَافِ آيَةٍ وَشَيْءٌ فَإِذَا قَرَأَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ عَشْرًا يَحْصُلُ الْخَتْمُ وَلَا يَتْرُكُ الْخَتْمَ مَرَّةً لِكَسَلِ الْقَوْمِ بِخِلَافِ الدَّعَوَاتِ فِي التَّشَهُّدِ حَيْثُ يَتْرُكُ إذَا عَرَفَ مِنْهُمُ الْمَلَلَ. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق 179/1).

جہاں تک تخفیف علی الناس کی بات ہے تو اس کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ لوگوں کی گرانی کے باعث مقدار قرات کی ''سنت ادنی'' کو ہی چھوڑ دیا جائے!

بلکہ اس کا درست مفہوم یہ ہے کہ ایسی صورت حال میں قرات کی ''سنتِ اوسط'' اور ''سنتِ اعلیٰ'' (دو یا تین ختم قرآن) کے ترک کی گنجائش ہوگی۔

ہر رکعت میں دس آیات کے ذریعہ ایک ختم قرآن کرنا بیس اور تیس آیات کے ذریعے دو اور تین ختم قرآن کرنے کی بہ نسبت یقیناً ''اخف واہون'' ہے، لہٰذا ایک ختم قرآن پر عمل کرنے میں بھی تخفیف علی الناس پر بخوبی عمل درآمد ہوجائے گا۔

شیخ محمد خامی نے اس ذیل میں بڑی نفیس اور دل لگتی بحث کی ہے، فرماتے ہیں:

وَلَعَلَّ أَنَّ مَا نُقِلَ عَنْ الْمُحِيطِ وَالِاخْتِيَارِ الْأَفْضَلُ فِي زَمَانِنَا أَنْ لَا يَقْرَأَ بِمَا يُؤَدِّي إلَى تَنْفِيرِ الْقَوْمِ عَنْ الْجَمَاعَةِ؛ لِأَنَّ تَكْثِيرَ الْجَمَاعَةِ أَفْضَلُ مِنْ تَطْوِيلِ الْقِرَائَةِ وَأَنَّ دَفْعَ الْإِسَاءَةِ عَنْ الْإِمَامِ لِتِلْكَ الضَّرُورَةِ وَلَكِنْ لَا يَدْفَعُهَا عَنْ الْجَمَاعَةِ الَّذِينَ ثَقُلَ عَلَيْهِمْ الْخَتْمُ، وَقَدْ قِيلَ إنَّ أَصْلَ الْكُلِّ يَعْنِي السُّنَّةَ الْقَدِيمَةَ لَا يُغَيَّرُ بِالْعَوَارِضِ الْبِدْعِيَّةِ بَلْ يُوَدَّبُ وَيُحْبَسُ الْفَارُّونَ وَالتَّحْقِيقُ مَا قَالَهُ بَعْضٌ بِأَنَّ ذَلِكَ بَعْدَ مُرَاعَاةِ أَدْنَى السُّنَّةِ وَذَلِكَ إنَّمَا يَكُونُ بِقِرَاءَةِ عَشْرِ آيَاتٍ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ؛ لِأَنَّ أَعْلَى السُّنَّةِ كَثَلَاثِينَ آيَةً وَكَذَا أَوْسَطُهَا كَعِشْرِينَ آيَةً يُتْرَكَانِ لِكَسَلِ الْقَوْمِ، وَأَمَّا أَدْنَى السُّنَّةِ فَعَشْرٌ لِقَوْمٍ كَسَالَى فَلَا يُتْرَكُ لِكَسَلِ الْقَوْمِ قَالَ الْعَيْنِيُّ فِي شَرْحِ الْكَنْزِ وَلَا يُتْرَكُ الْخَتْمُ لِكَسَلِ الْقَوْمِ، وَعَنْ الْأَكْمَلِ يُقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ عَشْرُ آيَاتٍ وَهُوَ الصَّحِيحُ؛ لِأَنَّ فِيهِ تَخْفِيفًا لِلنَّاسِ وَيَحْصُلُ بِهِ أَدْنَى السُّنَّةِ، قِيلَ وَإِنَّمَا قَالَ وَهُوَ الصَّحِيحُ لِرَدِّ مَنْ قَالَ يَقْرَأُ أَقَلَّ مِنْ عَشْرِ آيَاتٍ لِكَسَلِ الْقَوْمِ أَقُولُ ذَلِكَ مِثْلُ الْمَنْقُولِ عَنْ الِاخْتِيَارَاتِ عَنْ بَعْضِ الْفُقَهَاءِ أَنَّهُ يَقْرَأُ فِي التَّرَاوِيحِ مَا يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ وَهُوَ مَا بَعْدَ سُورَةِ "لَمْ يَكُنْ" وَلَعَلَّ التَّعْلِيلَ بِأَنَّ التَّرَاوِيحَ أَخَفُّ مِنْ الْمَكْتُوبَةِ وَمِثْلُهُ عَنْ الْجَوْهَرَةِ، وَقَدْ سَمِعْت ظَاهِرَ قَوْلِ الْمُحِيطِ وَالِاخْتِيَارِ آنِفًا، وَقَدْ نُقِلَ عَنْ قَاضِي خَانْ

أَنَّهُ بَعْدَمَا نَقَلَ مِثْلَ هَذِهِ الرِّوَايَاتِ قَالَ هَذِهِ الْأَقْوَالُ لَيْسَتْ بِصَحِيحَةٍ؛ لِأَنَّ بِهَذَا الْقَدْرِ لَا يَحْصُلُ الْخَتْمُ وَالْخَتْمُ فِي التَّرَاوِيحِ سُنَّةٌ وَقِيلَ يَقْرَأُ فِي التَّرَاوِيحِ مَا يَقْرَأُ فِي الْعِشَاءِ مِنْ ثَلَاثِينَ أَوْ عِشْرِينَ؛ لِأَنَّ التَّرَاوِيحَ تَبَعٌ لِلْعِشَاءِ وَالصَّحِيحُ مَا رَوَى الْحَسَنُ عَنْ أَبِي الْحَسَنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ -رَحِمَهُ اللَّهُ- مِنْ قِرَاءَةِ عَشْرِ آيَاتٍ وَهُوَ تَخْفِيفٌ بِالنِّسْبَةِ إلَى عِشْرِينَ أَوْ ثَلَاثِينَ وَلَا يَتْرُكُ الْإِمَامُ لِكَسَلِ الْقَوْمِ كَأَنْ يَقْرَأَ مَا بَعْدَ سُورَةِ "لَمْ يَكُنْ" أَوْ قَرَأَ ثَلَاثَ آيَاتٍ بِلَا عُذْرٍ، وَقَدْ ذَكَرَ أَيْضًا فِي كَبِيرِ الْحَلَبِيِّ فَلَا يَتْرُكُ الْخَتْمَ لِكَسَلِ الْقَوْمِ كَمَا فِي النِّهَايَةِ لَا يَتْرُكُ سُنَنَ الصَّلَاةِ لِأَجْلِ كَسَلِ الْجَمَاعَةِ كَالتَّسْبِيحَاتِ وَكَذَا عَنْ النَّوَازِلِ يَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ عَشْرَ آيَاتٍ؛ لِأَنَّ السُّنَّةَ الْخَتْمُ وَبِهِ يَحْصُلُ الْخَتْمُ، وَأَيْضًا فِي الْكَنْزِ وَلَا يَتْرُكُ الْخَتْمَ لِكَسَلِ الْقَوْمِ، وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ -رَحِمَهُ اللَّهُ- الْعَشْرُ تَخْفِيفٌ بِالنِّسْبَةِ إلَى ثَلَاثِينَ أَوْ عِشْرِينَ وَكَذَا الْحُكْمُ فِي كُلِّ سُنَّةٍ؛ لأن الْمَطْلُوبَ رِضَا اللَّهِ تَعَالَى فَلَا يَنْبَغِي فِدَاءُ رِضَا اللَّهِ وَسُنَّةِ حَبِيبِهِ -صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- بِهَوَى النَّاسِ وَرِضَاهُمْ، وَعَنْ قَاضِي خَانْ قِرَاءَةُ ثَلَاثِ آيَاتٍ بَعْدَ الْفَاتِحَةِ غَيْرُ صَحِيحٍ لِمُنَافَاتِهِ لِسُنَّةِ التَّرَاوِيحِ مِنْ الْخَتْمِ مَرَّةً، وَعَنْ شَرْحِ الْمُنْيَةِ إنْ قَرَأَ ثَلَاثَ آيَاتٍ قِصَارٍ يُكْرَهُ تَنْزِيهًا، وَإِنْ اعْتَادَ يَنْقَلِبُ تَحْرِيمًا كَمَا يَقْرَأُ آيَتَيْنِ فَتَجِبُ الْإِعَادَةُ، وَإِنْ تَعَمَّدَا فَآثِمٌ وَمَا نُقِلَ عَنْ مُخْتَصَرِ الْكَرْخِيِّ أَنَّهُ إنْ قَرَأَ ثَلَاثَ آيَاتٍ لَمْ يُسِئْ فَمَحْمُولٌ عَلَى مَرَّةٍ أَوْ مَرَّتَيْنِ أَوْ عَلَى الضَّرُورَةِ كَالسَّفَرِ وَالْمَرَضِ وَعَلَيْهِ يُحْمَلُ مَا نُقِلَ مِنْ فَتْوَى الْمُتَأَخِّرِينَ عَلَى ثَلَاثِ آيَاتٍ وَإِلَّا فَلَا يُعَارَضُ قَوْلُ الْمُفْتِي بِقَوْلِ الْمُجْتَهِدِ وَقَوْلُ الْمُقَلِّدِ بِقَوْلِ الْمُجْتَهِدِ وَالْكُتُبِ الْمُعْتَبَرَةِ وَالْمَوْثُوقَةِ بِغَيْرِهَا، ثُمَّ أَقُولُ قَدْ عَرَفْتَ مِمَّا ذُكِرَ أَنَّهُ إنْ لَمْ يُوجَدْ الْحَافِظُ الْقَادِرُ عَلَى الْخَتْمِ فِي التَّرَاوِيحِ وَلَوْ قَرَأَ قَدْرَهُ مِمَّا شَاءَ كَأَنْ يَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ عَشْرَ آيَاتٍ يَكُونُ فِي حُكْمِ إتْيَانِ سُنَّةِ التَّرَاوِيحِ. (بريقة محمودية فی شرح طريقة محمدية وشريعة نبوية فی سيرة أحمدية (محمد الخادمی)188،189/4).

## تراویح میں قرآن کس رفتار میں پڑھا جائے؟

حضرات قراء کرام کے یہاں تلاوت قرآن کریم کے چار درجات ہیں:

ہیں: (۱) ترتیل:- یعنی مخارج وصفات کی رعایت رکھتے ہوئے خوش الحانی کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا، اس طرح کی تلاوت فرض نماز میں ہونی چاہیے۔

(۲) تحقیق:- یعنی ترتیل سے بھی زیادہ اطمینان سے پڑھنا جیسا کہ جلسوں میں تلاوت ہوتی ہے۔

(۳) حدر:- یعنی قواعد تجوید کی رعایت رکھتے ہوئے قدرے رواں پڑھنا جیسا کہ تراویح میں پڑھا جاتا ہے۔

(۴) تدویر:-یعنی ترتیل وحدر کے درمیانی انداز میں تلاوت کرنا۔

سب سے افضل مرتبہ ترتیل کا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت مراتبِ ترتیل میں سے تحقیق تھی (تحقیق ترتیل ہی کا افضل ترین مرتبہ ہے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ترتیل کے ساتھ یعنی ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا:

وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا.

اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھیے! (سورۃ المزمل:4).

پھر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سبحانہ وتعالی کے اس حکم کے مطابق قرآن مجید ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کے دکھایا اور تلاوت قرآن کا عملی نمونہ پیش فرمایا تاکہ امت کے لیے اس باب میں نمونہ بن جائے۔

چنانچہ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سورت کی تلاوت فرماتے اور اس قدر ترتیل سے پڑھتے کہ وہ اپنی طوالت سے اور بھی بڑھ جاتی۔ (مسلم حدیث:118، صلاۃ المسافرین)۔

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی قراءت کے متعلق پوچھا گیا تو حرف بہ حرف آپ کی قراءت کی کیفیت کو بیان کرنے لگی اور تلاوت کی نقل کر کے بتادیا، جس میں ایک ایک حرف واضح تھا۔ (سنن الترمذی، أبواب ثواب القرآن: (2923) النسائی: 2/181).

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: نبی کریم ﷺ نے ایک رات قرآن کریم کی ایک ہی آیت کے ساتھ قیام فرمایا۔ (مسند احمد: 5/149، وتفسیر بغوی 4/408)۔

حضرات علماء فرماتے ہیں کہ ترتیل کا اسلوب فرائض وواجبات میں اختیار کرلے، سنن ونوافل میں حدر وتدویر کے اسلوب میں پڑھتے ہوئے الفاظ وحروف کی ادائی کے ساتھ اگر تیز رفتاری ہو تو اس کی گنجائش ہے، اس سے کثرت قراءت ہوگی اور کثرت قراءت زیادہ باعث اجر وثواب ہے جس کا اشارہ ابن مسعود کی اس حدیث سے ملتا ہے:

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے کتاب اللہ سے ایک حرف پڑھا اس کو ایک نیکی ملے گی اور ایک نیکی دس گنا ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ ''الم'' ایک حرف ہے بلکہ ''الف'' حرف ہے، ''لام'' حرف ہے اور ''میم'' حرف ہے۔ (الترمذی: باب ثواب القرآن (سنن الترمذی 2910)، سنن الدارمی: 2/308، مستدرک حاکم: 1/567)۔

یہ حدیث کثرت قراءت کی فضیلت کی دلیل ہے، اسے سنن ونوافل پہ محمول کر کے ان میں حدر وتدویر کی رفتار کے اختیار کی اجازت دی گئی ہے۔

جن اصحابِ رسولؐ واسلاف امت سے کثرت قرارت کی روایات مروی ہیں ان کے یہی معنی ہیں کہ وہ اسلوب حدر کی رعایت کے ساتھ کثرت قرارت کی افضلیت کے قائل تھے۔

مثلاً عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ایک رکعت میں قرآن مجید پڑھا۔ (البیہقی شعب الایمان: 5/145، السنن 3/24)۔

اسی طرح حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ ایک رات میں، حضرت سعید بن جبیر ایک رکعت میں، حضرت علقمہ بن قیس شاگرد حضرت عبداللہ بن مسعود نے ایک رات میں پورا قرآن مجید ختم کردیا تھا۔ (فضائل قرآن، ابوعبید)۔

تو ظاہر ہے وہ حضرات اسی اسلوب کے ساتھ پڑھے ہونگے، ترتیلًا ایک رکعت میں یا ایک شب میں پورا قرآن پڑھنا عادۃً مشکل ہے۔

ایسی رفتار میں قرآن پڑھنا کہ الفاظ وحروف تک صحیح سے ادا نہ ہوں، نہ کچھ سمجھ آئے کہ کیا پڑھا جارہا ہے؟ ہذّ ''اور الہذرمۃ'' کہا جاتا ہے، جس سے منع کیا گیا ہے۔ (التبیان (ص 89) جو مکروہ تحریمی ہے، ہمارے فقہاء حنفیہ نے تو اسے منکرات میں شمار کیا ہے۔

ناقابل مفہوم طریقے سے انتہائی عجلت بازی میں قرآن ختم کرلینا کمال نہیں ہے؛ قرآن کو اس کی شان اور حقوق وآداب کی رعایت کے ساتھ پڑھنا اصل کمال ہے۔

محققین علماء کا کہنا ہے کہ تلاوت قرآن کے مقصد سے ہی تراویح مشروع ہوئی ہے۔

ہر محلے کی مسجد میں باجماعت تراویح کے تاکیدی قیام کی غرض بھی یہی ہے کہ عوام جو حافظ نہیں ہیں وہ تراویح میں قرآن سن سکیں اور ختم قرآن کی سنت اور فضیلت سے محروم نہ رہیں۔ اگر ختم قرآن کا تاکُّد ختم کردیا جائے تو چند سالوں بعد حفظ قرآن پر انتہائی منفی اور تکلیف دہ اثرات مرتب ہونے لگیں گے، پھر کیا بعید ہے کہ حفاظ بھی عنقاء ہوجائیں، اگر نام کے حفاظ دستیاب بھی ہوجائیں تو محراب سنانے کے قابل نہ بچیں، ختم قرآن کے تاکُّد کے باعث اختیاراً نہیں تو؛ اضطراراً ہی سہی؛ لیکن دورِ قرآن کا عملی سلسلہ اور عوام کا مکمل ذوق وشوق کے ساتھ تراویح میں شرکت کا قابل رشک سلسلہ تو ہنوز باقی ہے۔

حفاظت قرآن جیسے عظیم مصالح ومقاصد اور عمل صحابہ کے تحت تراویح میں ختم قرآن کے تاکد کا قول متقدمین احناف نے اپنایا ہے؛ لیکن ان تمام حکمتوں کے باوجود خوب اچھی طرح ذہن نشیں رہے کہ ختم قرآن ہے پھر بھی سنت ہی! اسے فرض وواجب کا درجہ دیدینا اور فرض وواجب کی طرح ہر حال میں ختم کا اس قدر لازمی اہتمام کرنا اور اس کے لیے قرآن کریم کو اتنی تیز رفتاری کے ساتھ پڑھنا کہ یعلمون وتعلمون کے سوا کچھ بھی سمجھ میں نہ آئے، ثواب کی بجائے الٹا وبال وگناہ کا باعث ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ

سے حسن کی روایت ہے کہ ایک رکعت میں دس آیات کے بقدر جو کہ بیس رکعات میں ایک جزء کے مماثل ہوتا ہے پڑھے، اس طرح پورے مہینے میں ختم بآسانی ہوجائے گا۔

بادام کے چھلکے پہ قناعت کرنے والے اور مغز کو پھینک دینے والے شخص کی عقل پہ اگر ماتم کیا جاسکتا ہے تو ختم قرآن کے خبط میں تلاوت قرآن کے واجبی آداب کو نظر انداز کر کے ناقابل فہم رفتار میں تلاوت کرنے والا امام تراویح اس سے زیادہ قابل افسوس ہے۔

خوب اچھی طرح یاد رہے کہ تراویح میں قرآن شریف صاف اور واضح انداز میں پڑھنا ضروری ہے۔ ایسی تیز رفتاری اور عجلت سے قرآن پڑھنا جس سے حروف کٹ جائیں اور الفاظ کی ادائیگی، صحیح وصاف نہ ہو درست نہیں؛ بلکہ مکروہ ہے، ایسی تراویح ثواب کے بجائے گناہ کا باعث بنتی ہے، پہلے کبھی تو عشرہ اول میں ختم قرآن ہوتا تھا، پھر سہ روزہ پہ، پھر شبینہ پہ معاملہ رکا، اب مارکیٹ میں نیا طریقہ متعارف ہوا اور باضابطہ مشتہر کیا جاتا ہے کہ تراویح کی پہلی رکعت میں قرآن ختم کیا جائے گا، اس کے لیے اخبارات وسوشلستان میں باضابطہ اعلانات نکالے جاتے ہیں اور لوگوں کو شرکت کی دعوت دی جاتی ہے، پھر حافظ صاحب پہلی رکعت میں ختم قرآن کے خبط میں کتاب مقدس کا پوری بے دردی و بے رحمی کے ساتھ جو تیا پانچہ کرتے ہیں وہ انتہائی تکلیف دہ ہونے کے ساتھ ناقابل برداشت ہوتا ہے۔

سچ پوچھئے تو وہ خود بھی نہیں سمجھتے کہ کیا پڑھ رہے ہیں؟ خدارا بتایئے کہ یہ کون سا طریقہ ہے؟ کیسا دین ہے؟ کیسی سنت ہے؟ روز قیامت جب حفاظ کو رب تعالیٰ بلا کر ان سے کہیں گے کہ اسی طرح قرآن پڑھتا جا جس طرح دنیا میں پڑھتا تھا الخ.....تو پھر وہاں کیسے سامنا کریں گے؟

دو تین دنوں میں جیسے تیسے قرآن ختم کر کے سر سے تراویح کا بوجھ اتار پھینکنے اور پھر بقیہ ماہ کی تراویح سے ہی ریٹائرمنٹ لے لینے کا جو رواج آج جڑ پکڑ رہا ہے اس کی بیخ کنی کی اشد ضرورت ہے۔ حفاظ اور انتظامیہ دونوں کو چاہیے کہ ایسی عجلت آمیز تلاوت کہ حروف کٹ جائیں اور کچھ سمجھ میں نہ آئے کہ کیا پڑھا جارہا ہے؟ سے لازمی گریز کریں، یہ کار ثواب کی بجائے کار گناہ اور وبال جان ہے، ایک سنت (ختم قرآن) کی ادائی کے لیے ترتیل قرآن کا بے رحمی کے ساتھ یوں حشر نشر کر دینا اور کتاب مقدس کی حق تلفی کرنا انتہائی افسوسناک والمناک عمل ہے:

الدرالمختار میں ہے:

"وَيَجْتَنِبُ الْمُنْكَرَاتِ هَذْرَمَةَ الْقِرَاءَةِ، وَتَرْكَ تَعَوُّذٍ وَتَسْمِيَةٍ، وَطُمَأْنِينَةٍ، وَتَسْبِيحٍ، وَاسْتِرَاحَةٍ".

فتاوی شامی میں ہے:

"(قَوْلُهُ هَذْرَمَةَ) بِفَتْحِ الْهَاءِ وَسُكُونِ الذَّالِ الْمُعْجَمَةِ وَفَتْحِ الرَّاءِ: سُرْعَةُ الْكَلَامِ وَالْقِرَاءَةِ،

قَامُوسٌ، وَهُوَ مَنْصُوبٌ عَلَى الْبَدَلِيَّةِ مِنْ الْمُنْكَرَاتِ، وَيَجُوزُ الْقَطْعُ. ح". (شامی، کتاب الصلاۃ، باب الوتر و النوافل، مبحث صلاۃ التراویح 47/2، ط: سعید).

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

ثم القراءة على ثلاثة أوجه في الفرائض: على التؤدة والترسل والتدبر حرفاً حرفاً – وفي التراويح يقرأ بقراءة الأئمة بين التؤدة والسرعة، وفي النوافل بالليل له أن يسرع بعد أن يقرأ كما يفهم وذٰلك مباح.

''قرأت کی تین صورتیں ہیں: فرض نماز میں ٹھہر ٹھہر کر اور سکون واطمینان سے ایک ایک حروف میں غور وفکر کر کے پڑھنا، نمازِ تراویح میں سکون اور تیز رفتاری کے درمیان پڑھنا جیسا کہ ائمہ تلاوت کرتے ہیں اور رات کے نوافل میں سُرعت کے ساتھ اس طرح پڑھنا کہ سمجھ میں آسکے، یہ مباح ہے۔ (الفتاویٰ التاتارخانیۃ 67/2)۔

**خلاصہ**

قرآن کریم کائنات کی عظیم ترین دولت اور نعمت ہے۔ زمین وآسمان میں خدا کو سب سے محبوب چیز قرآن کریم ہے۔ اس کی حفاظت کی ذمہ داری خدا نے خود اپنے ذمہ لی ہے۔ اس میں دنیا وآخرت کی بھلائی اور ہدایت ہے۔ اس کا پڑھنا بھی عبادت، سننا بھی عبادت، اور دیکھنا بھی عبادت ہے۔

یہ کتاب تمام آسمانی کتابوں کا عرق وخلاصہ ہے۔ پچھلی امتوں کو بغرض اصلاح جو مضامین مختلف زمانوں میں دیے گئے وہ سب قرآن کریم میں جمع کر دیے گئے ہیں، ترغیب وتحریض کے مقصد سے مخصوص سورتوں کے مخصوص فضائل بیان کیے گئے ہیں، نمازوں میں اس کی قرآت اس حد تک لازم کی گئی ہے کہ اس کے بغیر نماز کا وجود ہی تسلیم نہیں کیا گیا۔

چونکہ منبع خیرات وبرکات قرآن کریم کا قدوم میمنت لزوم نزول اسی مہینے میں ہوا ہے؛ اس لیے اس مہینے میں قرآن کریم کے ختم کرنے کو مسنون قرار دیا گیا، جو شخص اس مہینہ میں قرآن کریم کو ختم کرتا ہے، گویا وہ ساری اصلی اور ظلی برکات کا وارث ہوجاتا ہے، ختم قرآن کے مقصد سے ہی تراویح کی مشروعیت عمل میں آئی؛ تاکہ امت نزول قرآن کے ماہ مقدس میں ذوق وشوق کے ساتھ قرآن پڑھنے یا سننے میں مشغول رہ کر ہر خیر وبرکت کو دامن مراد میں سمیٹ سکے۔

آپ ﷺ نے بہ نفس نفیس تین راتوں تک باجماعت (قیام اللیل) تراویح پڑھائی؛ مگر اس اندیشے کے پیشِ نظر کہ یہ عبادت فرض نہ ہوجائے تین دن سے زیادہ جماعت نہیں کرائی۔ اس کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے انفرادی واجتماعی طور پر قیام اللیل کا یہ معمول جاری رکھا، یہاں تک کہ سیدنا عمرِ

فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس کی باجماعت ادائیگی مروج ہوئی اور اس کا باضابطہ نام تراویح پڑ گیا، اس کے بعد سے خلفاء، صحابۂ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین اور سلف صالحینؒ سے پابندی سے بیس رکعت تراویح کی ادائی پہ عملی توارث واجماع چلا آرہا ہے، بلا عذر اس کو چھوڑنے والا یا بلا عذر بیس رکعت سے کم پڑھنے والا نافرمان اور گناہ گار ہے کہ سنت موکدہ چھوڑنا واجب چھوڑنے کے برابر ہے۔

(لِأَنَّ السُّنَّةَ الْمُؤَكَّدَةَ، وَالْوَاجِبَ سَوَاءٌ، خُصُوصًا مَا كَانَ مِنْ شَعَائِرِ الْإِسْلَامِ أَلَا تَرَى أَنَّ الْكَرْخِيَّ سَمَّاهَا سُنَّةً ثُمَّ فَسَّرَهَا بِالْوَاجِبِ فَقَالَ: الْجَمَاعَةُ سُنَّةٌ لَا يُرَخَّصُ لِأَحَدٍ التَّأَخُّرُ عَنْهَا إلَّا لِعُذْرٍ؟ وَهُوَ تَفْسِيرُ الْوَاجِبِ عِنْدَ الْعَامَّةِ. (بدائع الصنائع 155/1)۔

جمہور صحابہ کے اتفاقی عمل کے علاوہ بعض مرفوع روایات سے بھی حضور کا بیس رکعات تراویح پڑھنا ثابت ہے۔ سنت تراویح اور اس کی جماعت راست عمل نبی سے ہی ثابت ہے، صرف منظّم ومنضبط جماعت اور اس کی ارتقائی شکل عہد فاروقی میں وجود میں آئی اور تمام صحابۂ نے اس پر عملی اتفاق کیا۔ گیارہ یا تیرہ رکعات والی روایات گو کہ صحیح وصریح ومرفوع ہیں؛ لیکن وہ تراویح سے نہیں؛ بلکہ تہجد سے متعلق ہیں۔ مشہور محدثین نے اس کی تصریح کی ہے۔

تراویح کی جماعت میں حضور علیہ السلام کا ختم قرآن کرنا عبارت النص سے تو ثابت نہیں ہے؛ البتہ حضور کی تقریرات وتائیدات، سنت خلفاے راشدین اور عمل صحابہ سے اس کی سنیت ثابت ہے، استنباط احکام عبارت النص کی طرح اشارت النص سے بھی ہوتا ہے، پھر حضور نے اپنی سنت کی طرح اپنے خلفاء کی سنت کو بھی مضبوط پکڑنے کا حکم دیا ہے، خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروقؓ نے تراویح کی امامت کے لیے حافظوں کو بلا کر ان کی قراءت سنی، پھر تیز پڑھنے والے کو تین ختم کرنے کا حکم دیا۔ اور معمولی تیز پڑھنے والے (یعنی تدویراً پڑھنے والے) کو دو ختم کرنے کے لیے فرمایا۔ اور آہستہ یعنی ترتیل سے پڑھنے والے کو ایک ختم کرنے کے لیے کہا۔ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ان کے شوق اور ہمت کے مطابق مذکورہ اماموں میں سے کسی ایک کی اقتداء کی ہدایت فرمائی۔

اب ظاہر ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطابؓ کے سامنے تراویح میں قرآن ختم کرنے کے متعلق آنحضرت ﷺ کی لازماً کوئی دلیل ہوگی؛ ورنہ آپ اس کا حکم نہ فرماتے اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اس کو تسلیم کرتے۔

اسی لیے جمہور ائمہ کے یہاں رمضان میں ختم قرآن سنت ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جن قراء کو امامت تراویح کے لیے متعین فرمائے تھے وہ تراویح میں اتنی طویل قراءت فرماتے کہ فجر کے قریب لوگ تراویح سے فارغ ہوتے اور بعضوں کو طول قرات کے باعث لاٹھی کا سہارا لینا پڑتا تھا، یہ

دلیل ہے کہ تراویح میں لمبی قرارت کا معمول موجود تھا اور ختم قرآن کا اہتمام دور صحابہ میں بھی تھا۔

اسی لیے ہمارے یہاں پورے رمضان میں ترتیب وار کم از کم ایک ختم قرآن کو سنت قرار دیا گیا ہے، فقہی کتابوں میں لوگوں کی سستی کے باعث ختم قرآن کو ترک نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جس سے اس کا موکد ہونا معلوم ہوتا ہے؛ جب کہ بعض فقہاء حنفیہ فرماتے ہیں کہ کسی جگہ کے لوگ اتنے سست اور بددل اور بدشوق ہوں کہ پورا قرآن مجید سننے کی تاب نہ رکھتے ہوں تو اتنا پڑھے کہ مسجد جماعت سے خالی نہ پڑجائیں؛ کیوں کہ تکثیر جماعت تطویل قرارت سے زیادہ اہم ہے، اس سے ختم قرآن کا موکد نہ ہونا مفہوم ہوتا ہے (لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے) ایسی ابتر حالت نہ ہو تو ایک ختم سے کم نہ کرے؛ کیوں کہ یہی سنت ہے۔ صحابہؓ وتابعین اور اسلاف امتؒ کا اب تک اس پر توارث چلا آرہا ہے، جس کی پیروی ضروری ہے، ہر محلے کی مسجد میں باجماعت تراویح کے تاکیدی قیام کی غرض بھی یہی ہے کہ عوام جو حافظ نہیں ہیں وہ تراویح میں قرآن سن سکیں اور ختم قرآن کی سنت اور فضیلت سے محروم نہ رہیں۔ اگر ختم قرآن کا تاکُّد ختم کردیا جائے تو چند سالوں بعد حفظ قرآن پر انتہائی منفی اور تکلیف دہ اثرات مرتب ہونے لگیں گے، پھر کیا بعید ہے کہ حفاظ بھی عنقاء ہوجائیں، اگر نام کے حفاظ دستیاب بھی ہوجائیں تو محراب سنانے کے قابل نہ بچیں، ختم قرآن کے تاکُّد کے باعث اختیاراً نہیں تو؛ اضطراراً ہی سہی؛ لیکن دورِ قرآن کا عملی سلسلہ اور عوام کا مکمل ذوق وشوق کے ساتھ تراویح میں شرکت کا قابل رشک سلسلہ تو ہنوز باقی ہے۔

حفاظت قرآن جیسے عظیم مصالح ومقاصد اور عملِ صحابہؓ کے تحت تراویح میں ختم قرآن کے تاکد کا قول متقدمین احناف نے اپنایا ہے، سستی وکاہلی کے باعث احناف کے صحیح قول کے مطابق سنتِ ختم کو ترک نہیں کیا جاسکتا؛ لیکن اس کے باجود ختم قرآن ہے سنت ہی! اسے فرض واجب کا درجہ دیدینا اور فرض وواجب کی طرح ہر حال میں اس قدر لازمی اہتمام کرنا اور قرآن کریم کو اتنی تیز رفتاری کے ساتھ پڑھنا کہ یعلمون وتعلمون کے سوا کچھ بھی سمجھ میں نہ آئے، ثواب کی بجائے الٹا وبال کا باعث ہے، تراویح میں قرآن شریف صاف اور واضح انداز میں پڑھنا ضروری ہے۔ ایسی تیز رفتاری اور عجلت سے قرآن پڑھنا جس سے حروف کٹ جائیں اور الفاظ کی ادائی، صحیح وصاف نہ ہو درست نہیں؛ بلکہ مکروہ ومنکر عمل ہے، ایسی تراویح ثواب کے بجائے گناہ کا باعث بنتی ہے۔

حفاظ اور انتظامیہ دونوں کو چاہیے کہ ایسی عجلت آمیز تلاوت سے لازمی گریز کریں کہ حروف کٹ جائیں اور کچھ سمجھ میں نہ آئے کہ کیا پڑھا جارہا ہے؟ یہ کار ثواب کی بجائے کار گناہ اور وبالِ جان ہے، ایک سنت (ختم قرآن) کی ادائیگی کے لیے ترتیلِ قرآن کا بے رحمی سے یوں حشر کردینا اور کتاب مقدس کی حق تلفی کرنا انتہائی افسوسناک والمناک عمل ہے، واللہ الموفق لکل صواب۔

# رسالہ ناسخ القرآن ومنسوخہ

## لعلی بن شہاب الدین الہمدانیؒ

تصحیح وتعارف: عمر مشتاق
جموں کشمیر

علوم القرآن میں ایک اہم اور دلچسپ عنوان ناسخ ومنسوخ کا ہے۔ یہ موضوع اپنی اہمیت کے پیشِ نظر ہمیشہ مختلف جہات سے علماء کرام کے زیر بحث رہا ہے۔ نسخ کی لغوی واصطلاحی تعریف، منسوخ آیات کی تعداد، نسخ الاحکام اور نسخ الاخبار، نسخ القرآن بالقرآن، نسخ القرآن بالسنۃ اور اس طرح کے دیگر عنوانات پر علماء کرام نے علوم ومعارف کے دریا بہا دیے۔ اس موضوع پر مستقل کتب اور رسائل لکھے گئے جن میں چند اہم کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

١: الناسخ والمنسوخ فی کتاب اللّٰہ، مروی عن قتادۃ بن دعامۃ السدوسی (ت:١١٧ھـ)

٢: الناسخ والمنسوخ، المنسوب لمحمد بن مسلم الزہری (ت:١٢٤ھـ)

٣: الناسخ والمنسوخ فی القرآن العزیز، أبو عبید القاسم بن سلام الہروی (ت:٢٢٤ھـ)

٤: الناسخ والمنسوخ فی القرآن الکریم، أبو عبد اللّٰہ محمد بن حزم الاندلسی (ت:٣٠ھـ)

٥: الناسخ والمنسوخ فی کتاب اللّٰہ عز وجل، أحمد بن محمد بن اسماعیل النحاس (ت:٣٣٨ھـ)

٦: الناسخ والمنسوخ، ہبۃ اللّٰہ بن سلامۃ المقری (ت:٤١٠ ھـ)

٧: الناسخ والمنسوخ فی القرآن، عبد القاہر بن طاہر البغدادی (ت:٤٢٩ ھـ)

٨: الایضاح لناسخ القرآن ومنسوخہ، مکی بن ابی طالب القیسی (ت:٤٣٧ھـ)

٩: نواسخ القرآن، عبد الرحمن بن علی الجوزی (ت:٥٩٧ھـ)

١٠: الناسخ والمنسوخ، أبو منصور البغدادى (ت:١٥٧ هـ)

١١: ناسخ القرآن و منسوخه، على بن شهاب الدين الهمدانى (ت:٧٨٦ هـ)

١٢: الآيات المنسوخة فى القرآن الكريم، عبد اللّٰه بن محمد الامين الشنقيطى

اردو زبان میں اس موضوع پر کتب تفاسیر اور علوم القرآن پر مشتمل کتابیں دیکھی جاسکتی ہیں جن میں دیگر موضوعات پر کلام کرتے ہوئے اس موضوع کو بھی بڑے خوش اسلوبی اور تسلی بخش دلائل سے سمجھایا گیا ہے۔ سردست ہم یہاں ان تین مستند کتابوں کے نام درج کیے دیتے ہیں جن میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے:

۱- ''فہم قرآن'' از مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ (متوفی: ۱۴۰۵ھ) (۱)

۲- ''آثار التنزیل'' از علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ (متوفی: ۱۴۴۱ھ) (۲)

۳- ''علوم القرآن'' از مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم (۳)

## میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ

عالم اسلام کے جلیل القدر صوفی بزرگ اور عظیم مبلغِ اسلام حضرت میر سید علی ہمدانیؒ ۱۲/رجب المرجب ۷۱۴ہجری کو ایران کے شہر ''ہمدان'' میں اس دنیائے آب وگل میں تشریف لائے۔ میر سید علی ہمدانیؒ ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے ماموں سید علاء الدینؒ کے زیر سایہ حاصل کی۔ اس کے بعد آپ نے دیگر شیوخ کے ساتھ ساتھ شیخ محمود مزدقانیؒ اور شیخ علاء الدولہ سمنانیؒ سے بھی بھرپور استفادہ کیا۔ میر سید علی ہمدانیؒ نے اپنی زندگی کا ایک خاصا وقت سیاحت میں گزارا جس کے دوران آپ نے دنیا کے بہت سے ممالک کا دورہ کیا اور کئی لوگوں کو مشرف بہ اسلام کیا۔ کشمیر میں اگرچہ آپ کی آمد سے پہلے بھی اسلام اور مسلمانوں کے نشان ملتے ہیں؛ لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آپ کی مبارک تشریف آوری نے وادی کشمیر میں اسلام کی روح کو ایک نئی تازگی بخشی۔ آپ نے ہزاروں لوگوں کو جہاں مشرف بہ اسلام کیا وہیں آپ نے اُس وقت کی حکومت پر بھی ایک اچھا خاصا اثر چھوڑا۔

**وفات:**

۶/ذوالحجہ ۷۸۶ہجری کو میر سید علی ہمدانیؒ اس دارفانی سے رخصت ہوئے۔ آپ کا مزار ختلان (ایران) میں موجود ہے۔ شاہ ہمدان میر سید علی ہمدانیؒ کے تفصیلی حالات جاننے کے لیے ڈاکٹر

شمس الدین احمد کی مفصل کتاب شاہ ہمدان حیات اور کارنامے کا مطالعہ فائدہ مند رہے گا۔

## تصانیف

میر سید علی ہمدانیؒ دینِ اسلام کے ایک عظیم داعی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک باکمال مصنف بھی تھے۔ آپ کی چھوٹی بڑی کتابوں کی تعداد سو سے زائد بتائی جاتی ہے۔ آپ کی چند مشہور کتابوں اور رسائل کے نام درج ذیل ہیں:

| | |
|---|---|
| ۱- ذخیرۃ الملوک | ۲- رسالہ دہ قاعدہ |
| ۳- شرح اسماء الحسنیٰ | ۴- مشارب الاذواق |
| ۵- مرآۃ التائبین | ۶- رسالہ ذکریہ |
| ۷- رسالہ تلقینیہ | ۸- رسالہ در بیان اعتقاد |
| ۹- رسالہ درویشیہ | ۱۰- ناسخ القرآن ومنسوخہ، وغیرہم |

## رسالہ ناسخ القرآن ومنسوخہ

میر سید علی ہمدانیؒ کو قرآن کریم سے بے حد لگاؤ تھا۔ آپ بچپن میں ہی قرآن کریم حفظ کر چکے تھے۔ آپ اپنی تصانیف میں جگہ جگہ قرآنی آیات سے استدلال کرتے نظر آتے ہیں۔ آپ نے جو خطوط مختلف لوگوں کو لکھے وہ بھی قرآنی آیات سے مزین ہیں۔ اسی قرآنی شوق وذوق کے پیشِ نظر میر سید علی ہمدانیؒ نے ناسخ ومنسوخ کے موضوع پر ایک مختصر رسالہ اپنے مریدین اور شاگردوں کی یاد دہانی کے لیے لکھا۔

## رسالے کا نام

اس رسالے کا ذکر کتابوں میں رسالہ الناسخ والمنسوخ فی القرآن الکریم، رسالہ ناسخ القرآن و منسوخہ اور رسالہ ناسخ ومنسوخ کے نام سے ملتا ہے؛ لیکن چونکہ خود میر سید علی ہمدانیؒ نے رسالے کے شروع میں لفظ ناسخ القرآن ومنسوخہ استعمال کیا ہے؛ اسی لیے زیادہ تر محققین اس کو اسی نام سے ذکر کرتے ہیں۔

## مندرجات

یہ مختصر رسالہ شاہ ہمدان میر سید علی ہمدانیؒ نے اپنے متعلقین کی یاد دہانی کے لیے لکھا ہے؛ چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں:

"فهذا ما جمعته من ناسخ القرآن و منسوخه تذكرة للطالبين مستوفقا من اللّٰه و

مستعينا به، إنه خير موفق و معين".

لہٰذا آپ نے اس رسالے میں قرآن کریم کی ناسخ ومنسوخ آیات کا صرف تذکرہ کیا ہے اور مختصراً صحابہ وتابعین کا حوالہ دیتے ہوئے اپنی بات کو مضبوط کیا ہے۔ آپ نے سینتیس (۳۷) سے زائد آیات پر کلام کیا ہے؛ لیکن آپ نے تفصیل کے بجائے اختصار کے دامن کو تھامے رکھنا زیادہ پسند فرمایا۔ میر سید علی ہمدانیؒ نے اپنے اس رسالے میں جن اکابر مشاہیر کا حوالہ دیا ان اہل علم کے اسماء درج ذیل ہیں:

| | |
|---|---|
| حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا | حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما |
| حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ | امام سعید بن مسیّب رحمہ اللہ |
| امام سعید بن جبیر رحمہ اللہ | امام عامر بن شراحیل الشعبی رحمہ اللہ |
| امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ | امام عکرمہ بن عبداللہ رحمہ اللہ |
| امام مجاہد بن جبر رحمہ اللہ | امام مکحول بن ابی مسلم رحمہ اللہ |
| امام ضحاک بن مزاحم اللآلی رحمہ اللہ | امام عطاء بن ابی مسلم الخراسانی رحمہ اللہ |
| امام محمود بن عمر الزمخشری رحمہ اللہ | امام رفیع بن مہران الریاحی (ابی العالیۃ) رحمہ اللہ |

سید فاروق بخاری صاحبؒ اس رسالے کا تعارف پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضرت میر سید علی ہمدانیؒ کی تصانیف میں یہ رسالہ بھی دست برد زمانہ سے محفوظ رہا ہے۔ انڈیا آفس اور مرکزی دانش گاہ طہران کے کتابخانوں میں اس کے نسخے موجود ہیں۔ اس رسالے میں شیخ ہمدانیؒ نے قرآن کے مسئلۂ ناسخ ومنسوخ سے بحث کی ہے۔ ہم نے اس کے اقتباس پڑھے ہیں جن کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ اس میں کوئی نئی بات نہیں کہی گئی ہے۔ مؤلف نے اپنے تلامذہ اور صاحبِ علم ارادتمندوں کی تفہیم کے لیے یہ رسالہ لکھا ہے، اور متقدمین ہی سے خوشہ چینی کی ہے'' (۴)

یہ بات صحیح ہے کہ شاہ ہمدانؒ نے اس رسالے میں متقدمین سے ہی خوشہ چینی کی ہے؛ لیکن کئی مقامات پر میر سید علی ہمدانیؒ منفرد بھی نظر آتے ہیں، شیخ خالد حسین اسماعیل نے ایسے ۲۷ مقامات کی نشاندہی کی ہے (۵)

سیدہ اشرف ظفر صاحبہ شاہ ہمدانؒ کے اس رسالے کے بارے میں فرماتی ہیں:

''اس رسالہ میں آپ کلام مجید کی آیات کے ناسخ ومنسوخ کے مسئلہ کی وضاحت فرماتے ہوئے چند منسوخ آیات زیر بحث لائے ہیں۔ اس مجموعے میں اکثر آیات جہاد، عبادات، قتال اور اوامر و نواہی کے بارے میں ہیں'' (۶)

## رسالے کا ماخذ

اگر چہ شاہ ہمدانؒ نے اپنے اس رسالے میں صرف ایک مرتبہ علامہ زمخشریؒ کا ذکر کیا ہے؛ لیکن تفسیر کشاف دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ہمدانؒ نے اس رسالے کی تیاری میں تفسیر کشاف سے بھرپور استفادہ کیا ہے اور بیشتر چیزیں اسی سے نقل کی ہیں۔

## رسالے کی نسبت

یہ رسالہ بلاشبہ میر سید علی ہمدانیؒ کا ہی ہے، ہماری اس بات پر ذیل میں شواہد پیش کیے جاتے ہیں:

۱- میر سید علی ہمدانیؒ کے تقریباً تمام تذکرہ نگاروں نے اس رسالے کی نسبت آپ کی طرف کی ہے۔ مخطوطات کی فہرستوں میں بھی اس رسالے پر بطور مصنف میر سید علی ہمدانیؒ کا ہی نام لکھا ہے۔

۲- شاہِ ہمدانؒ نے اس رسالے کے شروع میں اپنا نام خود اس طرح لکھا ہے "فیقول العبد الفقیر الی اللّٰہ الغنی الجانی علی بن شہاب الہمدانی عفا اللّٰہ عنہ بکرمہ و وفقہ لشکر نعمہ"۔ میر سید علی ہمدانیؒ نے اپنی کچھ تصانیف مثلاً ذخیرۃ الملوک اور مشارب الاذواق میں بھی اسی طرح شروع میں اپنا نام لکھا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ رسالہ بھی ان کا ہی ہے۔

۳- یہ رسالہ ہندوستان کے مشہور اہل حدیث عالم مولانا نواب صدیق حسن خان بھوپالیؒ کے زیر مطالعہ رہا ہے اور انھوں ں نے بھی اس کی نسبت میر سید علی ہمدانیؒ کی طرف ہی کی ہے۔ نواب صاحب مرحوم نے تین جگہ پر اس رسالے کا ذکر اپنی کتاب افادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ میں کیا ہے۔

مولانا نواب صدیق حسن خان بھوپالیؒ ناسخ ومنسوخ پر کتابیں لکھنے والوں کا تعارف پیش کرتے ہوئے ان میں ایک نام ''علی ہمدانی'' بھی ذکر کرتے ہیں(۷)

آیت: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَن يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا (النساء:۱۹) کے متعلق نواب صدیق حسن خان بھوپالی لکھتے ہیں:

"ولھذا ابن عباسؓ گفتہ ھی محکمۃ لم تنسخ ذکرہ علی الھمدانی فی ناسخہ"(۸)

یہاں مولانا نواب صدیق حسن خان بھوپالیؒ نے حضرت ابن عباسؓ کے قول کو شاہ ہمدان میر سید علی ہمدانیؒ کے رسالہ ناسخ القرآن ومنسوخہ سے نقل کیا ہے۔ یہ قول شاہ ہمدان میر سید علی ہمدانیؒ نے

اپنے رسالے میں اس آیت کے تحت لکھا ہے۔ میر سید علی ہمدانیؒ لکھتے ہیں:

"و عن ابن عباس، هی محكمة يعنی لم تنسخ.(۹)

اسی طرح نواب صدیق حسن خان بھوپالیؒ آیت "وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ" (التوبۃ:۳۴) کے متعلق لکھتے ہیں:

''علی ہمدانی گفتہ اصح آن است کہ منسوخ نیست''(۱۰)

یہاں بھی نواب صاحبؒ نے میر سید علی ہمدانیؒ کے رسالے سے ہی دلیل پیش کی ہے۔ یہ بات اس آیت کے تحت میر سید علی ہمدانیؒ نے اپنے رسالے میں لکھی ہے۔

چنانچہ میر سید علی ہمدانیؒ لکھتے ہیں:

"والأصح أنها لم تنسخ"(۱۱)

## مخطوطات

شاہ ہمدانؒ کے اس رسالے کے مخطوطات باقی رسائل کے مقابلے میں نادر و نایاب ہیں، راقم الحروف کی معلومات کی حد تک اس کے درج ذیل مخطوطات ہیں:

۱- سید محمد حسین جلالی کے بقول اس کا ایک مخطوطہ مکتبہ آستان قدس رضوی قم (ایران) میں مجموعہ نمبر ۵۹۹ کے اندر صفحہ ۶۹ سے ۷۷ تک شامل ہے جس کی کتابت ۸۸۱ ہجری میں ہوئی ہے۔(۱۲)

۲- نسخہ مکتبہ برٹش میوزیم، انڈیا آفس لندن رقم IO(Delhi۹۸۱) ۴۳۱۴

۳- مکتبہ دار الکتب الظاہریہ مصر میں ایک نسخہ رقم مجموعہ ۴۴۲۵ صفحہ ۶۷ سے ۷۷ تک موجود ہے جس کو تاج الدین محمد بن زہرۃ الحسینی الحلبی نے ۹۰۷ ہجری میں لکھا ہے۔

۴- مکتبہ پرنسٹن یونیورسٹی مجموعہ جاریت رقم B۳۴۲ (رقم تسلسل ۲۰۱۵) میں ایک نسخہ صفحہ ۲۰۷ سے ۲۰۹ تک شامل ہے جس کو ابن محمد شریف خاتون آبادی نے ۱۰۲۸ ہجری میں لکھا ہے۔

۵- نسخہ مکتبہ آستان قدس رضوی قم (ایران) رقم مجموعہ ۳۳۷۵۹۔

۶- مکتبہ آستان قدس رضوی لائبریری میں ایک اور نسخہ رقم ۶۷۵۷ پر موجود ہے جو ۱۰۸۸ ہجری میں لکھا گیا ہے۔

۷- مکتبہ آستان قدس رضوی میں ہی رقم ۱۹۱۰۳ پر ایک اور نسخہ بھی موجود ہے جو ۱۲۳۳ ہجری میں لکھا گیا ہے۔

۸- نسخہ مکتبہ مجلس شورای اسلامی ایران، رقم مجموعہ ۱۸۳۱۳ صفحہ ۵۸ سے ۵۹ تک۔ اس کی کتابت

۱۲۶۰ ہجری میں ہوئی ہے۔

۹-نسخہ مکتبہ مجلس شورای اسلامی ایران رقم مجموعہ ۱۲۹۷، صفحہ ۴۷ تا ۴۹۔

۱۰-نسخہ مکتبہ اماسیا بایزید ترکی رقم ۵۱۹Ba۰۵۔

۱۱-نسخہ مکتبہ تہران یونیورسٹی رقم ۲۸۳۰

۱۲-نسخہ مکتبہ تہران یونیورسٹی رقم ۱۲۹۷

۱۳-نسخہ مکتبہ تہران یونیورسٹی رقم ۳۹۱۶

۱۴-نسخہ مکتبہ تہران یونیورسٹی رقم ۱۶۶۷

۱۵-نسخہ مکتبہ لینن گراڑ روس رقم B۲۲۸۴۲۰۰

۱۶-نسخہ مکتبہ متحف الآسیوی (مجموعہ بخاری) رقم ۱۰۸۰

۱۷- مکتبہ آیت اللہ مرعشی ایران رقم میں ایک نسخہ رقم ۸۳۲۱ پر موجود ہے جس کی کتابت ۱۲۵۲ ہجری میں ہوئی ہے۔

۱۸- مکتبہ آیت اللہ مرعشی میں ہی دوسرا نسخہ رقم ۱۱۳۵۷ پر موجود ہے۔

۱۹- مکتبہ گلپایگانی قم میں رقم ۴۶۷۱ پر یہ رسالہ موجود ہے۔

۲۰- مکتبہ گلپایگانی قم میں ایک اور نسخہ رقم ۸۴۷۶ پر موجود ہے۔

۲۱- مکتبہ فیضیہ قم میں ایک نسخہ رقم ۸۴۷ پر موجود ہے۔

۲۲- مکتبہ دانشگاہ اصفہان میں ایک نسخہ رقم ۳۶۱ پر موجود ہے جو ۱۲۲۸ ہجری میں لکھا گیا ہے۔

۲۳- مکتبہ ملی تہران میں ایک نسخہ رقم ۴۶۳۴ پر موجود ہے جو ۱۳۶۹ ہجری میں لکھا گیا ہے۔

۲۴- مکتبہ آران کاشان: محمد ہلال، میں ایک نسخہ رقم ۱۷ پر موجود ہے۔

## مطبوعہ نسخے

یہ رسالہ ہماری معلومات کے مطابق تین بار شائع ہوا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہیں:

۱- اس رسالے کو محمد جواد النجفی نے اپنی تحقیق سے شائع کیا ہے۔ تلاش کے باوجود یہ ایڈیشن ہمیں دستیاب نہ ہوسکا۔

۲- شیخ حاتم صالح الضامن نے ۲۰۱۱ میں مجلّہ آفاق (مرکز جمعۃ الماجد) کے شمارہ نمبر ۳ ۷ میں اس رسالے کو اپنی تحقیق سے شائع کیا۔ اس میں انہوں نے دارالکتب الظاہریۃ مصر (رقم ۴۴۲۵) کے نسخے کو پیش نظر رکھتے ہوئے متن کی تصحیح کی ہے۔

۳- یہ رسالہ شیخ خالد حسین اسماعیل کی تحقیق سے ۲۰۲۱ میں مجلّہ البحوث الاکادمیۃ شمارہ نمبر ۱۷ میں بھی شائع ہو چکا ہے جس میں محقق نے مکتبہ آستان قدس رضوی (رقم ۳۳۷۵۹)، مکتبہ دارالکتب الظاہریۃ (رقم ۴۴۲۵) اور مکتبہ پرنسٹن یونیورسٹی (رقم جاریت B۳۴۲) کو پیش نظر رکھتے ہوئے متن کی تصحیح کی ہے۔

❊ ❊ ❊

## حوالہ جات:


(۱) مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ رفہم قرآن رادارہ اسلامیات لاہور صفحہ ۵۴
(۲) علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ رآثار التنزیل ردارالمعارف لاہور صفحہ ۴۳۵
(۳) مفتی محمد تقی عثمانی رعلوم القرآن رکتب خانہ نعیمیہ دیوبند صفحہ ۱۶۵
(۴) سید فاروق بخاریؒ رکشمیر میں عربی علوم اور اسلامی ثقافت کی اشاعت ربخاری منزل سرینگر صفحہ ۱۶۵
(۵) مجلّہ البحوث الاکادمیۃ شمارہ نمبر ۱۷ سال ۲۰۲۱
(۶) سیدہ اشرف ظفر رامیر کبیر سید علی ہمدانیؒ رندوۃ المصنّفین لاہور صفحہ ۲۹۳
(۷) مولانا نواب صدیق حسن خان بھوپالیؒ رافادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ رمطبع محمدی لاہور صفحہ ۳
(۸) مولانا نواب صدیق حسن خان بھوپالیؒ رافادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ رمطبع محمدی لاہور صفحہ ۳۶
(۹) رسالہ ناسخ القرآن ومنسوخہ رمخطوط
(۱۰) مولانا نواب صدیق حسن خان بھوپالیؒ رافادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ رمطبع محمدی لاہور صفحہ ۵۰
(۱۱) رسالہ ناسخ القرآن ومنسوخہ رمخطوط
(۱۲) سید محمد حسین الحسینی الجلالی رفہرس التراث ردارالولا رصفحہ ۴۱۱


❊ ❊ ❊

# روح کا مستقر اور عذاب قبر

از: پروفیسر محمد سلیم قاسمی
استاذ شعبہ دینیات سنی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

''روح'' پر گفتگو کرتے وقت یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ خود قرآن نے روح کے سلسلہ میں فرمایا: وما اوتیتم من العلم الا قلیلا (الکھف: ۸۵) تمہیں روح کے سلسلہ میں جو بتایا گیا وہ بہت کم ہے)۔ لہٰذا اس موضوع پر صرف آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ تک محدود رکھتے ہوئے سطور ذیل میں اس کی حقیقت جاننے کی کوشش کی گئی ہے۔

جب انسان کی موت ہوتی ہے تو فرشتے اس کی روح کو قبض کر لیتے ہیں، ارشاد باری تعالی ہے: اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَى إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى (الزمر: ۴۲) (موت کے وقت اللہ انسانوں کی روح کو قبض کر لیتا ہے اور جن کی موت مقدر نہیں ان کی بھی روحیں سوتے میں قبض کر لیتا ہے۔ پھر جن پر موت کا حکم ہو چکا ہوتا ہے ان کو روک لیتا ہے، باقی روحوں کو ایک وقت مقررہ تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے)۔

روح نکالنے والے فرشتے ان لوگوں کے ساتھ سختی کرتے ہیں جو نافرمان ہوتے ہیں، ارشاد باری تعالی ہے: وَلَوْ تَرَى إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلآئِكَةُ بَاسِطُواْ أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُواْ أَنفُسَكُمُ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ (الانعام: ۹۳) اور کاش کہ تم یہ منظر دیکھتے جب یہ نافرمان موت کی سختیوں سے جوجھ رہے ہوتے ہیں اور فرشتے ان کی طرف روح نکالنے کے لیے اپنے ہاتھوں کو بڑھاتے ہیں اور ڈانٹ کر کہتے ہیں کہ باہر آؤ۔ آج کے دن تمہیں ذلت کا عذاب ہے یہ انجام بد اس لیے کہ تم اللہ پر ناز یبا باتیں کہتے تھے اور اس کی آیات سے سرکشی اور تکبر کیا کرتے تھے)۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا: وَلَوْ تَرَى إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُواْ الْمَلآئِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُواْ عَذَابَ الْحَرِيقِ ذَلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللّهَ لَيْسَ بِظَلاَّمٍ

لِّلْعَبِيْدَ (الانفال: ۵۰-۵۱) اور کاش کہ تم ان لوگوں کا حال دیکھتے، جب فرشتے کافروں کے چہرے اور پشت پر مار مار کر ان کی روح نکالتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں چکھو مزہ عذاب حریق کا اور یہ اس کے بدلے میں ہے جو تم نے اپنے اعمال بد آگے بھیج رکھے ہیں اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا)

آیات کے رو سے برے لوگوں پر مرتے ہی عذاب کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے جو عذاب دائمی (عذاب جہنم) پر منتہی ہوتا ہے۔ اس کے برعکس نیک لوگوں کی روحیں نکالنے میں آسانی برتی جاتی ہے، ان کے ساتھ رحم وشفقت کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ فرشتے انھیں دخول جنت اور رضاءِ رحمٰن کا مژدہ سناتے ہیں اور کہتے ہیں: يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّة. ارْجِعِيْ إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً. فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ. وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ (الفجر: ۲۷-۳۰) اے نفس مطمئنہ لوٹ چل اپنے رب کی جانب خوشی خوشی، پس شامل ہوجا میرے بندوں میں اور داخل ہوجا میری جنت میں)۔

اسی طرح سورہ فُصِّلت میں فرمایا گیا: إِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنتُمْ تُوعَدُون (فصلت: ۳۰) (بے شک جن لوگوں نے کہا ہمارا رب ہے پھر تاحیات وہ اس پر قائم رہے تو ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ تم کسی بات کا خوف نہ کرو اور نہ غم کرو؛ بلکہ بشارت ہے تمھارے لیے جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا)۔

فرشتے رب کی رضا اور جنت کی بشارت سناتے جاتے ہیں اور روح اپنے رب سے ملنے کے اشتیاق میں موت کی سختی اور دنیا چھوٹنے کا ہر غم بھول کر باہر آجاتی ہے۔ اس کے بعد فرشتے اس روح کو لے کر بڑی تیزی سے آسمانوں کی طرف چڑھتے ہیں۔ آسمانوں کے دروازے اس روح (طیب) کے لیے کھول دیے جاتے ہیں یہاں تک کہ فرشتے اسے رب کے حضور پیش کردیتے ہیں۔ پھر وہاں سے جو حکم ملتا ہے فرشتے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے: ثُمَّ رُدُّوا إِلَى اللّٰهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ أَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحَاسِبِيْن (الانعام: ۶۲) (پھر مرنے کے بعد تم اپنے مالک برحق اللہ عزوجل کی طرف لوٹائے جاؤ گے، یاد رکھو اسی کا حکم چلتا ہے اور وہ جلد حساب لینے والا ہے)۔

**نامۂ اعمال رکھنے کی جگہ:** آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب فرشتے نیک بندے کی روح کو رب کے حضور پیش کرتے ہیں، اگر وہ نیک ہے تو حکم ہوتا ہے کہ: اکتبوا کتاب عبدی فی علیین..... (مسند احمد، مسند الکوفیین، حدیث البراء بن عازبؓ) (میرے بندہ کا نامہ اعمال علیین میں لکھ دو) ارشاد باری تعالیٰ ہے: كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْأَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ. وَمَا أَدْرَاكَ مَا عِلِّيُّوْنَ. كِتَابٌ

مَّرْقُومٌ. يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُونَ (المطففین:۱۸،۱۹،۲۰)(خبردار! نیک لوگوں کا نامہ اعمال علیین میں محفوظ ہے اورتم کیا جانو کہ علیین کیا ہے، وہ دفتر ہے لکھا ہوا، جس کی حفاظت پر مقرب فرشتے مامور ہیں)۔ اس کے بعد حکم ہوتا ہے کہ اسے زمین میں لوٹادو؛ اس لیے کہ:مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى(طہ:۵۵)(ہم نے اسے اسی سے پیدا کیا اوراسی کی طرف لوٹیں گے اوراسی سے دوبارہ نکالیں گے)۔

نیک روح کے برعکس روح خبیث کو لے کر فرشتے جب آسمانوں کی طرف چڑھتے ہیں تو باب الارض سے اوپر چڑھنے کی اجازت نہیں ملتی، ارشاد باری تعالی ہے: ان الذین کذَّبُوا بِآیتنا وَاسْتکبروا عنها لاتُفَتَّحُ لهم ابواب السماء ولایدخلون الجنة حتی یلج الجملُ فی سم الخیاط وکذلك نجزی المجرمین (الاعراف:۴۰) جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور سرکشی کی،ان کے لیے آسمانوں کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے؛ یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہوجائے اور ہم اسی طرح مجرموں کو سزا دیتے ہیں)

اللہ عزوجل کی طرف سے اس روح کے لیے حکم ہوتا ہے کہ اس کا نامۂ اعمال سجین میں لکھ دو۔ ارشاد باری تعالی ہے:كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ. وَمَا أَدْرَاكَ مَا سِجِّيْنٌ. كِتَابٌ مَّرْقُومٌ (المطففین:۷،۸،۹)(خبردار! کافروں کی کتاب (نامہ اعمال) سجین میں محفوظ کی جاتی ہے اورتم نہیں جانتے کہ سجین کیا ہے، وہ لکھا ہوا دفتر ہے)۔اس کے بعد حکم ہوتا ہے کہ اسے زمین کی طرف لوٹادو۔آپ ﷺ نے فرمایا اس کی روح کو وہیں سے نیچے پھینک دیا جاتا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاء فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ (الحج:۳۱)اور جو شرک کرے گا اللہ کے ساتھ گویا وہ پھینک دیا گیا آسمان سے تو اب اسے پرندے اچک لیں یا ہوا اسے کسی دور دراز علاقہ میں پھینک دے)(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر)۔

اس کے بعد جب بندہ کو سپرد خاک کردیا جاتا ہے۔تو قبر/برزخ میں اس کے پاس دو فرشتے (منکر ونکیر) آکر اس سے رب، دین اور نبی کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ تمہارا رب کون ہے، تمہارا دین کیا ہے، اورتم نبی آخرالزماں کے بارے میں کیا کہتے تھے(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر)۔قرآن کریم میں ہے کہ اللہ عزوجل اپنے نیک بندوں کو دنیا وآخرت کی ہر آزمائش میں ثابت قدم رکھتے ہیں، ارشاد باری تعالی ہے:يُثَبِّتُ اللّهُ الَّذِيْنَ آمَنُواْ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ

فِیْ الْحَیَاۃِ الدُّنْیَا وَفِیْ الآخِرَۃِ (ابراہیم:۲۷)(اللہ ثابت قدم رکھتے ہیں ایمان والوں کو قول ثابت کے ذریعہ دنیاوی زندگی میں اور اس کے بعد کی زندگی میں بھی)۔

لیکن اس کے برعکس کافر اور نافرمان بندہ اس آزمائش میں ناکام ہوجاتا ہے، نتیجہ میں اس کی قبر/حیات برزخ تنگ کردی جاتی ہے، ارشاد باری تعالی ہے: وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِیْ فَإِنَّ لَهُ مَعِیْشَةً ضَنكاً (طہ:۲۳)(جو ہماری یاد سے غافل رہا، ہم اس کا عرصہ حیات تنگ کردیتے ہیں)۔

صحیح بخاری میں ہے: ویضیق علیه قبره حتی تختلف اضلاعه (صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر)(اس پر قبر تنگ کردی جاتی ہے یہاں تک کہ پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں)۔

**عذاب قبر:** سورۂ مومن میں فرعونیوں کے لیے فرمایا گیا: النَّارُ یُعْرَضُونَ عَلَیْهَا غُدُوّاً وَعَشِیّاً وَیَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَاب (الغافر:۴۶)(برزخ میں صبح وشام آگ پر لائے جاتے ہیں اور جب قیامت برپا ہوگی تو کہا جائے گا کہ داخل ہوجاؤ سخت عذاب میں اے آل فرعون)۔ سورۃ الانعام میں ہے: وَلَوْ تَرَى إِذِ الظَّالِمُونَ فِیْ غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلآئِكَةُ بَاسِطُواْ أَیْدِیهِمْ أَخْرِجُواْ أَنفُسَكُمُ الْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللّهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَكُنتُمْ عَنْ آیَاتِهِ تَسْتَكْبِرُون (الانعام:۹۳)(کاش کہ ان ظالموں کو تم اس وقت دیکھو جب وہ موت کی سختیوں سے جوجھ رہے ہوتے ہیں اور فرشتے ان کی طرف اپنے ہاتھ لمبے کرکے کہتے ہیں کہ نکالو اپنی جانوں کو آج تم کو ذلت والے عذاب کی سزا دی جائے گی؛ اس لیے کہ تم اللہ پر جھوٹ بولا کرتے تھے اور اس کی آیتوں سے سرکشی کرتے تھے)۔ اسی طرح سورۂ توبہ میں منافقین کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا: وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِیْنَةِ مَرَدُواْ عَلَى النِّفَاقِ لاَ تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَیْنِ ثُمَّ یُرَدُّونَ إِلَى عَذَابٍ عَظِیْمٍ (توبہ:۱۰۱) (اور تمہارے اردگرد کے بعض دیہاتی منافق ہیں اور بعض مدینہ والے بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں، تم انھیں نہیں جانتے؛ لیکن ہم جانتے ہیں۔ ہم انھیں دومرتبہ عذاب دیں گے پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے)۔

ان تمام آیات میں عذاب قبر/برزخ کی صراحت ہے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں ان تینوں آیات کو باب عذاب القبر میں بطور ترجمۃ الباب نقل فرمایا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عذاب قبر سے متعلق تمام مستند روایات انھیں یا ان جیسی دیگر آیات کریمہ کی تشریح ہیں، مثلاً ایک حدیث میں

آپ ﷺ نے فرمایا: ان احدکم اذامات عرض علیه مقعده بالغداة والعشی، ان کان من اهل الجنة فمن اهل الجنة وان کان من اهل النار فمن اهل النار فیقال هذامقعدك حتی یبعثك اللّٰه الیه یوم القیٰمة (صحیح بخاری، باب ماجاء فی عذاب القبر) (جب تم میں سے کسی کی موت ہوتی ہے تو اسے صبح وشام اس کا اصلی ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے۔ اگر وہ اہل جنت میں سے ہے تو جنت اور اگر وہ اہل نار میں سے ہے تو نار۔ کہا جاتا ہے کہ یہ تمھارا اصل مقام ہے جہاں تمھیں حساب وکتاب کے بعد داخل کیا جائے گا)۔

**قبر:** دنیا میں چونکہ زیادہ تر لوگوں کو بعد مرنے کے قبر میں دفن کیا جاتا ہے؛ اس لیے کثرت وقوع کی بنیاد پر اس گڑھے کو قبر کہا جاتا ہے۔ لہٰذا قرآن نے بھی اس پر قبر کا اطلاق کیا، فرمایا: ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ۔ ثُمَّ إِذَا شَاء أَنشَرَهُ (عبس: ۲۱-۲۲) (ہم نے اسے موت دی پھر قبر میں رکھا۔ پھر اللہ جب چاہے گا اسے دوبارہ اٹھائے گا)۔ ایضا: وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَن فِي الْقُبُورِ (الحج: ۷) (اللہ یقیناً انھیں دوبارہ زندہ کرے گا جو قبروں میں ہیں)۔ ورنہ قبر کا اصل مفہوم برزخ ہے، جہاں ہر کوئی مر کر پہنچتا ہے، خواہ اسے قبر میں داخل کیا جائے یا جلا دیا جائے یا فرعون کی لاش کی طرح محفوظ کر دیا جائے وغیرہ۔ وہیں ہر ایک کو سوال وجواب اور ثواب وعقاب سے واسطہ ہوتا ہے؛ مگر ہم وہاں کی حیات اور جزا وسزا کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ ہی دنیا کی جزا وسزا پر قیاس کر سکتے ہیں۔

قبر یا برزخ آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے اور روز آخرت کے حساب وکتاب اور جزا وسزا کی تمہید ہے۔ یہ برے لوگوں کے لیے جہنم کی حوالات ہے اور نیکوکاروں کے لیے جنت کی انتظار گاہ۔ عذاب قبر/برزخ جہنم کے عذاب کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ عذاب جہنم کو ''أَشَدَّ الْعَذَاب'' (الغافر: ۴۶) اور ''عَذَابٍ عَظِيمٍ'' (التوبہ: ۱۰۱) کہا گیا؛ اسی لیے دوسری مرتبہ صور پھونکے جانے کے بعد جب لوگ اٹھیں گے تو کہیں گے مَن بَعَثَنَا مِن مَّرْقَدِنَا (یس: ۵۲) (ہمیں ہمارے خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا)۔ خواب گاہ؛ اس لیے کہ اب تک قبر میں جو سزا ملی وہ برائے نام تھی، حقیقی عذاب کی ابتدا، محشر کے ہولناک منظر سے ہوگی جسے دیکھ کر انسان کی روح کانپ جائے گی۔ اس دن کے عذاب سے کوئی نہیں بچ سکے گا سوائے اس کے جسے اللہ عزوجل محفوظ رکھے، ارشاد فرمایا: لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ (الانبیاء: ۱۰۳) (صرف اللہ کے نیک بندے ہی بہت بڑی گھبراہٹ والے دن سے مغموم نہیں ہوں گے)؛ بلکہ وہ امن میں ہوں گے أُوْلَـئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ (الانعام ۸۲)۔

**عالم برزخ میں روحوں کا مستقر:** بعدمرنے کے روحیں کہاں جاتی ہیں،اس سلسلہ میں حافظ ابن قیم نے کتاب الروح (المسئلۃ الخامسہ) میں علماء سے متعدداقوال نقل کیے ہیں،ان میں سے منتخب اقوال درج ذیل ہیں:

(۱) مرنے کے بعد مومنوں کی ارواح اللہ کے پاس جاتی ہیں وہ شہداء ہوں یا ان کے سوا، بشرطے کہ ان کے نامۂ اعمال میں دوسروں کے حقوق جیسے قرض اور گناہ کبیرہ نہ ہوں۔ یہ مذہب حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا ہے۔

(۲) ایک جماعت کا کہنا ہے کہ نیک لوگوں کی ارواح صحن جنت میں ہوتی ہیں جہاں وہ جنت کی نعمتوں اور وہاں کے رزق سے متمتع ہوتے ہیں۔

(۳) حافظ ابن عبدالبر نے فرمایا کہ شہداء کی ارواح جنت میں اور مومنوں کی ارواح اپنی قبروں کے صحن میں ہوتی ہیں۔

(۴) امام مالک سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ روحیں بعدمرنے کے آزاد ہوتی ہیں وہ جہاں چاہیں جاسکتی ہیں۔

(۵) امام احمد نے فرمایا کہ کفار کی ارواح جہنم میں اور مومنین کی ارواح جنت میں جاتی ہیں۔

(۶) حضرت کعب سے منقول ہے کہ مومنین کی ارواح ساتویں آسمان پر اور کفار کی ارواح سجین میں قید ہوتی ہیں جو ساتوں زمین کے نیچے ہے۔

(۷) ایک گروہ کا کہنا ہے کہ مومنوں کی ارواح حضرت آدم کے داہنے اور کفار کی ارواح بائیں جانب ہوتی ہیں۔

(۸) امام ابن حزم نے فرمایا کہ روحیں عالم ارواح میں واپس چلی جاتی ہیں جہاں سے وہ اول مرتبہ آئیں تھیں۔

**قول راجح:** ان تمام اقوال میں راجح یہ ہے کہ عالم برزخ میں روحیں ایک جگہ نہیں ہوتیں؛ بلکہ اپنے اپنے احوال اور مراتب کے لحاظ سے الگ الگ مستقر میں ہوتی ہیں، جسے ذیل میں اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

**ارواح انبیاء:** ارواح انبیاء سب سے اعلیٰ منازل: جنّت النعیم میں ہوتی ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے انتقال کے وقت آپ ﷺ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے اللّٰھم الرفیق الاعلی، الحقنی بالرفیق الاعلی (صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب دعاء النبی ﷺ۔ صحیح بخاری، کتاب المرضی،

باب تمنی المریض الموت) (اے اللہ رفیق اعلی میں شامل فرما)، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے رب سے الرفیق الاعلی میں شمولیت کی دعا فرمارہے تھے۔

اللہ عزوجل کی بارگاہ میں ''الرفیق الاعلیٰ'' انبیاء کی مقدس جماعت کا نام ہے، جن کا آیت: أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاء وَالصَّالِحِيْنَ وَحَسُنَ أُولَـئِكَ رَفِيْقاً (النساء: ۶۹) (انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین وہ جماعت ہے جن پر اللہ نے اپنا خصوصی انعام کیا، جنت میں ان کی رفاقت سب سے بہتر ہے) میں ذکر ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے فرمایا کہ حضور ﷺ کا الحقنی بالرفیق الاعلی فرمانا اسی آیت سے ماخوذ ہے (الاستذکار (ابن عبدالبر) ۸۵/۳، باب جامع الجنائز، بیروت، ۲۰۰۰ء) اور آپ اپنے آخر وقت میں انھیں عظیم ہستیوں کی رفاقت کی دعا فرمارہے تھے جن کے مساکن اعلی جنت النعیم میں ہیں۔

اسی طرح امام نوویؒ نے فرمایا کہ الصحیح الذی علیه الجمهور ان المراد بالرفیق الاعلی الانبیاء الساکنون اعلی علیین (شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب فضائل الصحابہ، باب فضائل عائشہؓ) (صحیح بات یہی ہے جس پر جمہور ہیں کہ الرفیق الاعلی سے مراد حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں جو اعلی علیین (جنت النعیم) میں قیام پذیر ہیں)۔

**ارواح شہداء:** شہداء کے لیے اللہ عزوجل نے فرمایا: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُواْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتاً بَلْ أَحْيَاء عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُون (آل عمران: ۱۶۹) (اور مت خیال کرو ان کو مردہ جو اللہ کی راہ میں شہید ہوئے؛ بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس جہاں انھیں رزق دیا جاتا ہے)۔

اسی طرح دوسری آیت میں ہے: وَلَا تَقُولُواْ لِمَنْ يُقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاء وَلَكِن لَّا تَشْعُرُون (البقرۃ: ۱۵۴) (اور جو لوگ مارے جائیں اللہ کی راہ میں انھیں مردہ مت کہو؛ بلکہ وہ زندہ ہیں؛ لیکن تم ان کی اس زندگی کو سمجھ نہیں سکتے)۔

آپ ﷺ نے فرمایا ارواح شہداء جنت میں سبز پرندوں کے پیٹوں میں رہتی ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے: أرواحهم في أجواف طير خضر لها قناويل معلقة بالعرش تسرح من الجنة حيث شاءت ثم تاوی الی تلك القنادیل (مسلم، کتاب الامارۃ، باب بیان ان ارواح الشہداء فی الجنۃ) (ان کی ارواح سبز رنگ کے پرندوں کے پیٹوں میں رہتی ہیں، وہ جنت میں کھاتی پیتی ہیں اور عرش کے نیچے معلق قندیلوں میں بسیرا کرتی ہیں)۔

مگر ایسے شہداء جن کے ذمہ حقوق العباد مثلاً قرض یا دوسرے حقوق باقی ہوں، انھیں جنت میں

داخل ہونے سے روک دیا جاتا ہے۔محمد بن عبداللہ جحش بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ یارسول اللہ! اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کردیا جاؤں تو میرے لیے کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: جنت، پھر جب وہ آدمی جانے لگا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ابھی جبرئیلؑ نے آکر بتایا کہ اگر قرض باقی ہے تو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔(مسند احمد، حدیث ابوہریرہ، ۳۰۸/۲)۔

**ارواح مومن:** ارشاد باری تعالی ہے: فَأَمَّا إِن كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ (88) فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ وَجَنَّةُ نَعِيمٍ (89) وَأَمَّا إِن كَانَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ (90) فَسَلَامٌ لَّكَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ (91) وَأَمَّا إِن كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِينَ الضَّالِّينَ (92) فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيمٍ (93) وَتَصْلِيَةُ جَحِيمٍ (الواقعہ:۸۸) (مرنے والا اگر مقرب لوگوں میں سے تو اس کے لیے راحت اور روزی اور نعمت کے باغ ہیں اور اگر وہ داہنے والوں میں سے ہے تو سلامتی ہے عذاب سے اور اگر مرنے والا جھٹلانے والا اور گمراہ لوگوں میں سے ہے تو کھولتے ہوئے پانی سے اس کی خاطر ہوگی اور جہنم رسید ہوگا)۔

آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ صالح مومن بعد مرنے کے جنت میں داخل ہوتا ہے، اسی طرح سورۂ یٰسین میں فرمایا گیا: قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ يَا لَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ۔گزشتہ قوموں میں سے کسی قوم کے بندہ صالح نے مجمع میں کھڑے ہوکر اپنے وقت کے رسول کی تائید کی اور ان کی حمایت میں زبردست تقریر کی؛ مگر حاکم وقت کو اس رجل صالح کی بات اتنی گراں گذری کہ اسے اسی وقت قتل کردیا۔قتل ہوتے ہی اسے اللہ نے جنت میں داخل فرمایا۔تو وہ بندہ اپنے رب کے فیاضانہ سلوک اور انعام ونوازشات کو دیکھ کر گویا ہوا کہ کاش میری اس (نئی) زندگی سے میری قوم کو اطلاع دی جاتی)۔آپ ﷺ نے فرمایا: انمانسمة المؤمن طائریعلق فی شجر الجنة حتی یرجعه اللّٰه تبارك وتعالی الی جسده (موطا، کتاب الجنائز، باب جامع الجنائز) (مومن کی ارواح کو پرندے کی شکل عطا کی جاتی ہے جو جنت کے اشجار سے اپنا رزق حاصل کرتے ہیں؛ یہاں تک کہ اللہ انھیں ان کے جسم کے ساتھ روز محشر اٹھائے گا)۔

یہ بشارت اللہ کے ان نیک بندوں کے لیے ہے جن کے نامۂ اعمال میں کوئی بھی گناہ کبیرہ نہیں اور نہ ان پر کسی کا قرض وغیرہ باقی ہے۔اگر کسی کا کوئی حق مرنے والے پر باقی ہے تو ایسے شخص کو جنت میں داخلے سے روک دیا جاتا ہے۔ابوداؤد میں ہے ایک شخص کے لیے آپ ﷺ نے فرمایا: مأسور بدینه (ابوداؤد، کتاب البیوع، باب فی التشدید فی الدین) (تمہارا بھائی قرض کی وجہ سے جنت میں داخل ہونے سے روک دیا گیا ہے)۔

**نابالغ بچوں کی ارواح:** مسلمانوں کے نابالغ بچے مرکر جنت میں داخل ہوتے ہیں۔(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ما قیل فی اولاد المشرکین)۔مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں آیا کرتا تھا، اس کے ساتھ اس کا کمسن بیٹا بھی آتا تھا۔ایک مرتبہ آپ ﷺ نے اس کے بیٹے کو نہیں پایا تو پوچھا کہ وہ کہاں ہے، بتایا گیا کہ اس کا انتقال ہوگیا، آپ نے اس کے والد سے فرمایا کہ جنت کے دروازے پر تمھارا انتظار کررہا ہے، پوچھا گیا کہ کیا یہ اس کے لیے خاص ہے، آپ نے فرمایا: نہیں یہ سب کے لیے ہے۔(مسند احمد ۳۰۴/۵، اول مسند البصریین، حدیث قرۃ المزنی، رقم الحدیث: ۱۰۳۲۹)۔

آنحضرت ﷺ نے اپنے لختِ جگر حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا کہ جنت میں ان کے لیے دودھ پلانے والی اللہ نے متعین فرمادی ہے۔(صحیح بخاری، کتاب الادب، باب من سمی باسماء الانبیاء)۔

مشرکین کے نابالغ بچوں کے متعلق بھی راجح قول یہ ہے کہ وہ جنت میں جائیں گے۔(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ما قیل فی اولاد المشرکین)۔

**نافرمان مومن کی ارواح:** مومن اگر کبیرہ گناہوں سے توبہ کیے بغیر مرجائے تو ان کی ارواح کو قبر میں محبوس کردیا جاتا ہے اور گناہون کی مناسبت سے انھیں عذاب دیا جاتا ہے۔جیسا کہ آپ ﷺ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا کہ جس نے مال غنیمت سے ایک چادر چوری کرلی تھی کہ وہ چادر آگ بن کر اس کی قبر میں بھڑک رہی ہے۔(صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر)۔یا جیسے آپ ﷺ نے چغلی اور پیشاب سے نہ بچنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ قبر میں انھیں عذاب ہورہا ہے۔(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب عذاب القبر من النمیمۃ والبول)۔

ایسے ہی حدیث معراج میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرا گذر ایسے لوگوں پر سے ہوا جن کے منہ میں کُہک (جو گوشت کی دکانوں میں گوشت کے ٹکڑے ٹانگنے کے کام آتا ہے) ڈال کر ان کے گلپھڑے پھاڑے جارہے تھے، جس کا سرا گدّی کے باہر تک آتا تھا۔میں نے حضرت جبرئیلؑ سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں، مجھے بتایا گیا کہ یہ جھوٹے لوگ ہیں صبح وشام جھوٹ بولتے تھے۔ہم آگے چلے تو دیکھا کہ تنور کے مانند ایک گڈھا ہے اس کے اوپر کا سرا تنگ اور نیچے کا بہت وسیع ہے، اس میں آگ جل رہی ہے اس کے اندر کچھ مرد اور عورتیں ہیں جب آگ بھڑکتی ہے تو یہ اس کی لپٹ کے ساتھ اوپر آجاتے ہیں، لگتا ہے کہ آگ سے باہر آجائیں گے۔پھر جب آگ کی لپٹ کم ہوجاتی ہے تو یہ نیچے چلے جاتے

ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے حضرت جبرئیلؑ سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں تو انھوں نے بتایا کہ یہ زنا کار مرد وعورتیں ہیں۔آگے چلے تو دیکھا کہ خون کا دریا ہے جس میں کچھ لوگ غوطے کھا رہے ہیں۔اس کے کنارے پر ایک آدمی کھڑا ہے جس کے ہاتھ میں پتھر ہے، جب وہ اس سے باہر نکلنے کی کوشش کرتے ہیں تو ہاتھ میں پتھر لیے کھڑا شخص ان کے سروں پر اس زور سے پتھر مارتا ہے جس سے وہ جہاں تھے وہیں واپس پہونچ جاتے ہیں۔حضرت جبرئیلؑ نے مجھے بتایا کہ یہ سود خور لوگ ہیں۔ہم آگے چلے تو دیکھا کہ ایک شخص گدی کے بل سویا ہوا ہے، اس کے پاس ایک آدمی پتھر لیے کھڑا ہے جسے وہ سونے والے کے سر پر زور سے مارتا ہے جس سے اس کا سر چکنا چور ہو جاتا ہے اور پتھر دور جا گرتا ہے، پھر وہ جتنی دیر میں اس پتھر کو لینے جاتا ہے اتنی دیر میں سر اپنی جگہ پر آجاتا ہے جیسے پہلے تھا، میں نے حضرت جبرئیلؑ سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ فرمایا کہ رات کو قرآن کی تلاوت کو چھوڑ کر سو جاتا تھا اور دن میں اس پر عمل نہیں کرتا تھا۔(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ما قیل فی اولاد المشرکین)۔

اسی طرح ایک روایت سنن ابوداؤد میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا جب مجھے معراج کرائی گئی تو دیکھا کہ کچھ لوگ جن کے ناخن تانبے کے ہیں، وہ ان سے اپنے سینے اور منہ کو نوچ رہے ہیں، میں نے جبرئیلؑ سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو دوسروں کا گوشت کھاتے تھے (غیبت کرتے تھے) انھیں بے عزت کیا کرتے تھے۔(مسند احمد، حدیث المکثرین من الصحابۃ، مسند انس بن مالک، رقم الحدیث: ۱۳۳۴۰)۔

ایسے گنہگار لوگوں کی روحیں زمین میں مقید ہوتی ہیں، ان کی رسائی ملاء اعلی تک نہیں ہوتی؛ کیونکہ یہ سفلی اور ارضی روحیں ہوتی ہیں، گناہوں کی کثافت ان کی ارواح کو ملاء اعلی تک پہنچنے سے مانع ہوتی ہے۔

الغرض احوال کے مطابق روحوں کے زمین سے لے کر جنت النعیم تک الگ الگ مستقر ہیں۔ ارشاد باری تعالی ہے: وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُواْ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُون (الانعام: ۱۳۲) (ہر عمل کرنے والے کے عمل کے مطابق درجات ہیں اور تمھارا رب کسی کے عمل سے بے خبر نہیں ہے)۔اسی طرح دوسری جگہ فرمایا گیا: هُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ اللّهِ واللّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ (آل عمران: ۱۶۳) (اللہ کے پاس سب کے لیے درجات محفوظ ہیں اور اللہ ہر ایک کے عمل کو دیکھتا ہے)۔ اور بندہ کی روح کو بعد مرنے کے اپنے اعمال کے مطابق آلام وآسائش سے گذرنا ہوتا ہے؛ جب کہ ان کے اجسام زمین پر ہوتے ہیں۔ابن قیم لکھتے ہیں: فان للروح شانا آخر وانها مع کونها فی

الجنة فهی فی السماء و تتصل بفناء القبر و باالبدن (بعدمرنے کے روح کا معاملہ الگ ہی ہوتا ہے وہ جنت میں ہونے کے باوجود قبر اور جسم سے متصل رہتی ہے)۔

عالم برزخ اور وہاں کے ثواب وعقاب کو قریب الفہم کی غرض سے خواب سے مثال دی جاسکتی ہے، جس طرح سویا ہوا شخص دوسرے عالم میں چلا جاتا ہے اس دوران وہ شخص اپنے اردگرد سے بے خبر ہوتا ہے، اس کے حواس کام کرنا بند کردیتے ہیں۔ اس وقت یہ شخص مرے ہوئے شخص کے مانند ہوتا ہے۔ سوائے اس کے کہ سانسیں اس کو زندگی کے ڈور سے باندھے ہوئے رہتی ہیں۔ سونے والا شخص خواب میں راحت بھی محسوس کرتا ہے اور آلام بھی۔ بعض مرتبہ انسان خواب میں ہنستا بھی ہے اور کبھی برا خواب دیکھ کر پریشان بھی ہوجاتا ہے اور کبھی کبھی اس کے بدن پر خوف کے آثار بھی دکھائی دیتے ہیں؛ جب کہ پاس میں بیٹھا ہوا شخص ان سب چیزوں سے بالکل انجان ہوتا ہے؛ حالاں کہ سویا ہوا شخص ابھی عرصۂ حیات میں ہے اور اس عرصہ میں روح بدن کے تابع ہوتی ہے؛ اسی لیے سویا ہوا شخص جیسے ہی بیدار ہوتا ہے تو روح اس کے بدن میں فوراً لوٹ آتی ہے اور تمام حواس کام کرنے لگتے ہیں۔

بعدمرنے کے اس کا الٹا ہوتا ہے۔ یعنی بدن روح کے تابع ہوجاتا ہے۔ عالم برزخ میں روح جہاں کہیں بھی ہو، اس پر جو بھی اچھے برے احوال گذرتے ہیں جسم بھی اسے محسوس کرتا ہے۔ حضور ﷺ کو ایک نہیں، کئی موقعوں پر دکھایا گیا کہ کفار کو قبر/برزخ میں عذاب ہورہا ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب عذاب القبر من النمیمۃ والبول)۔ اسی طرح بعض نیک لوگوں کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ جنت میں ہیں اور وہاں کے رزق سے لطف اندوز ہورہے ہیں۔ (مسلم، کتاب الامارۃ، باب بیان ان ارواح الشہداء فی الجنۃ)۔

عالم برزخ میں احکام الٰہیہ براہ راست روحوں پر جاری ہوتے ہیں اور ان کے واسطے سے اجسام بھی متاثر ہوتے ہیں۔ جس طرح دنیا میں احکام شرعیہ اجسام پر جاری ہوتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں روح متاثر ہوتی ہے، یعنی خوشی اور الم محسوس کرتی ہے؛ کیوں کہ موت ہونے سے روح کا تعلق اجسام سے بالکل ختم نہیں ہوتا؛ بلکہ ایک گونہ تعلق باقی رہتا ہے۔ جسم خواہ جوں کا توں باقی ہو یا ان کے اجزاء پراگندہ ہوکر منتشر ہوجائیں یا وہ مٹی میں مل کر دوسری شکل اختیار کرچکے ہوں، بہر صورت ارواح پر جو گذرتی ہے وہ اسے محسوس کرتے ہیں۔ اور جب قیامت برپا ہوگی اس دن تمام ارواح کو ان کے اجسام میں دوبارہ داخل کیا جائے گا۔ اور بعد حساب وکتاب کے روح وجسم دونوں کو ہمیشہ ہمیش کے لیے جنت یا جہنم میں داخل کیا جائے گا۔

# یہودیت کیا ہے؟

(۲/۱)

بقلم: ڈاکٹر مولانا اشتیاق احمد قاسمی
مدرس دارالعلوم دیوبند

''کرونا وائرس'' کی وجہ سے لاک ڈاؤن لگا ہوا تھا، ہر طرف تعطل کا ماحول، انسان انسان سے ڈرتا تھا، مدارس بند تھے، اس دوران خیال ہوا کہ ''تورات'' کا مطالعہ کرنا چاہیے اور محض اپنے ذوق سے دیکھنا چاہیے کہ کیا واقعتاً وہ اللہ کی کتاب ہے؟ کتب خانہ دارالعلوم دیوبند میں عربی ترجمہ ملا، جس کے نیچے اردو اور فارسی ترجمے بھی تھے، شروع کیا اور پڑھتا گیا اور جو باتیں ذہن میں آتی گئیں؛ لکھتا گیا، پڑھنے کے بعد اطمینان ہوگیا کہ جو تورات اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی تھی جس پر ہمارا ایمان ہے وہ کوئی اور کتاب ہے، موجودہ ترجمے کے پانچوں حصوں میں سے کسی حصے پر بھی کتاب اللہ ہونے کی کوئی دلیل چسپاں نہیں ہوتی، میرے پاس نوٹس کی شکل میں منتشر مواد اکٹھا ہوگیا تھا، ایک دن جی میں آیا کہ ان سب کو اکٹھا کیا جائے اور متعلقات کا بھی مطالعہ کیا جائے؛ تاکہ قارئین کے لیے مفید مواد یکجا ہوجائے، الحمدللہ ایک مقالے کی شکل میں سب کو جمع کرنے کی توفیق ہوگئی، اللہ کرے کہ یہ قارئین کے لیے مفید ہو اور اس کی بارگاہ بے نیاز میں شرف قبول حاصل کرے جس کی رضامندی کے لیے لکھا گیا ہے۔ وباللہ التوفیق

## یہودیت کا تعارف

حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک نام ''یہودا'' تھا، اسی کی طرف منسوب مذہب کو ''یہودیت'' کہا جاتا ہے، ''تورات'' ان کی مذہبی کتاب ہے، یہودیت میں افضل الانبیاء حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مانا جاتا ہے اور آدمؑ سے ''ملاکی'' نبی تک ہی انبیاء کو مانا جاتا ہے، بعد کے انبیاء کو نہیں مانتے، ان کے نزدیک محض ''بنی اسرائیل'' کی نسل میں پیدا ہونا ہی آخرت کی نجات کے لیے کافی ہے؛ بلکہ جنت کا مستحق صرف بنی اسرائیل کو بتاتے ہیں، اپنے کو اللہ کا بیٹا اور دوست کہتے ہیں، انجیل اور قرآن مجید کو اللہ کی کتاب نہیں مانتے، حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو نبی نہیں مانتے اُن کو بادشاہ کہتے ہیں اور

حضرت زکریا اور یحییٰ علیہما السلام کی نبوت کا انکار کرتے ہیں؛ اس لیے ان دونوں کو یہودیوں نے جان سے مار ڈالا، یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح دجال کہتے ہیں اور آنے والے دجال کو مسیح ہدایت اعتقاد کرتے ہیں، دجال یہودیوں میں سے ہوگا؛ اس لیے اس کا شدت سے انتظار کررہے ہیں۔

## یہودیت میں اللہ کا نام

یہودیوں کے یہاں اللہ کے نام کی بڑی اہمیت ہے، ایک بار استاذ محترم حضرت مفتی سعید احمد پالن پوریؒ نے امریکہ میں یہودی عالم سے ملنے کا ارادہ ظاہر کیا تو لوگوں نے ایک بڑے عالم کو دعوت دی وہ آئے تو حضرت نے متعدد سوالات کیے، ایک سوال تو اُن دس احکامات سے متعلق تھا کہ وہ کیا ہیں؟ تو انھوں نے وعدہ کیا کہ میں لکھ کر کے آپ کو بھیج دوگا؛ چنانچہ انگریزی زبان میں انھوں نے لکھ کر بھیجا، حضرت نے تفسیر ہدایت القرآن میں کہیں اُسے نوٹ بھی فرمایا ہے اور دوسرا سوال تھا کہ آپ کے یہاں اللہ کے لیے کیا لفظ استعمال کرتے ہیں؟ تو وہ چیں بہ چیں ہوا اور کوئی جواب نہ دیا تو حضرت نے کہا کہ ہماری گجراتی زبان میں اللہ کو ''یہواہ'' کہتے ہیں، آپ اللہ کو کیا کہتے ہیں؟ تو اُس نے قدرے خفگی کا اظہار کیا اور بولا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ یہ سوال بھی کریں گے تو میں نہ آتا۔ اس کی ناراضگی کی وجہ معلوم نہیں؛ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اللہ کو یہودیوں کے یہاں ''یہواہ'' یا ''یہوواہ'' کہتے ہیں، یہ عبرانی لفظ ہے۔ اس کو انگریزی میں اس طرح (YHWH) لکھتے ہیں۔

عہد نامۂ قدیم کی کتابوں میں یہ نام پانچ ہزار چار سو دس بار لیا گیا ہے۔ دس احکامات میں سے ایک حکم یہ بھی ہے کہ ''یہواہ'' کا نام بری نیت سے نہ لینا۔

## یہودیت کے دس احکام

یہودیوں کے یہاں دس احکام کی بڑی اہمیت ہے، ان کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ یہ احکام ''الواح موسیٰ'' میں موجود تھے، یہی احکام یہودیت کی بنیاد ہیں:

| | |
|---|---|
| ۱- توحید: اللہ کو ایک ماننا | ۲- بت نہ بنانا |
| ۳- بتوں کا سجدہ اور ان کی عبادت نہ کرنا | ۴- خدا کا نام بری نیت سے نہ لینا |
| ۵- ہفتہ کی چھٹی کرنا | ۶- والدین کی عزت کرنا |
| ۷- قتل نہ کرنا | ۸- زنا نہ کرنا |
| ۹- چوری نہ کرنا | ۱۰- پڑوسی کا حق ادا کرنا |

(استثناء، باب ۵ درس ۶-۲۱)

## یہودیوں کے بنیادی عقیدے

یہودیت کے بنیادی عقائد میں توحید اور افضلیتِ بنی اسرائیل ہے۔

## یہودیت میں عبادت

(الف)-''نمازیں'': یہودیوں کے یہاں صبح، دوپہر اور شام میں تین نمازیں ہیں؛ ان میں صبح اور دوپہر کی نمازیں فرض ہیں؛ جب کہ شام کی نماز اختیاری ہے اگر کوئی چاہے تو اپنے اوپر فرض کرسکتا ہے۔

صبح کی نماز کو ''شاخاریت'' دوپہر کی نماز کو ''مِنخا'' اور شام کی نماز کو ''معاریب'' کہتے ہیں۔

**نوٹ:** یہ جو کہا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل پر پچاس نمازیں فرض تھیں؛ یہ غلط ہے۔

(ب)-''فرض روزہ'' دسویں محرم کا روزہ فرض ہے اور یہ روزہ چوبیس گھنٹے سے زیادہ کا ہوتا ہے؛ اس لیے کہ مغرب کے پہلے سے اگلے دن مغرب کے بعد تک کا روزہ ہوتا ہے۔

(ج)-''نفل روزے'' ساتویں مہینے کی دسویں تاریخ کو یہ ''کفارے کا روزہ'' رکھتے ہیں۔

کسی مصیبت میں یا قحط سالی میں یا بزرگوں کی وفات کے دن یہودی نفلی روزے رکھتے ہیں۔

## سات احکام نوحؑ

یہودیت میں حضرت نوح علیہ السلام کی طرف منسوب سات احکام کی اہمیت بھی بہت ہے، جس طرح وہ دس احکام کو اہمیت دیتے ہیں اسی طرح ثانوی درجے میں ان سات احکامات کو بھی مانتے ہیں اور یہود اپنے مذہب کو چوں کہ نسلی بتاتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے علاوہ کوئی اس کو اختیار نہیں کرسکتا اور کوئی دوسرا جنت میں جا بھی نہیں سکتا؛ اس لیے اگر کوئی غیر اسرائیلی یہودیت اختیار کرنا چاہے تو وہ اس کو ان سات احکامات کی پابندی کرنے کی تلقین کرتے ہیں اور دس احکامات کی تلقین نہیں کرتے؛ وہ سات احکامات درج ذیل ہیں:

(۱) خدا کا انکار نہ کرنا، (۲) خدا کی توہین نہ کرنا، (۳) قتل نہ کرنا، (۴) زنا اور ہم جنسی نہ کرنا، (۵) چوری نہ کرنا، (۶) زندہ جانور کا نہ کھانا یعنی ذبح کرکے کھانا، (۷) عدالت قائم کرنا۔

''تلمود'' میں یہ صراحت ہے کہ یہ سات قوانین ایسے ہیں جن کے بارے میں فقہائے یہود کا اتفاق ہے کہ یہ ''اولادِ نوح'' کو دیے گئے تھے۔

واضح رہے کہ ان میں سے اوپر کے چھ احکامات تورات میں بھی ہیں یعنی اخیر کے علاوہ چھ احکامات ان دس احکامات میں سے ہیں جن کو یہودیت میں اساسی اور بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

## یہودیت میں باعظمت شخصیات

یہودیت کو بنی اسرائیل نے نسلی مذہب قرار دے لیا ہے؛ اس لیے ان کے نزدیک حضرت ''موسیٰ''

علیہ السلام سب سے زیادہ باعظمت ہیں؛ اگر چہ انھوں نے ان کی شان میں بھی بہت سی گستاخیاں کر رکھی ہیں، بعد میں آنے والے بھی اپنے آباواجداد کے اس رویے کو حق بجانب سمجھا، یا اس میں تاویل کی؛ اس لیے قرآن کریم نے متعدد مواقع پر اُن سے ان گستاخیوں اور سرکشیوں کے بارے میں سوال کیا اور تنبیہ کی ہے؛ غرض یہ کہ یہودیت میں درج ذیل انبیاء اور صالحین کو عزت حاصل ہے ان میں نمایاں اسمائے گرامی یہ ہیں: حضرت آدم، حواء، نوح، ابراہیم، اسحاق، یعقوب، یوسف علیہم السلام، سارہ، ربقہ، ایلیاہ، راخیل، لیاہ۔ ان کا ذکر تورات میں ہے۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کو محض بادشاہ کی حیثیت سے مانتے ہیں۔

## یہودیت کی مذہبی کتابیں

یہودی مذہب میں متعدد کتابوں کو مذہبی حیثیت حاصل ہے، ان کتابوں میں بعض کے بارے میں آسمانی ہونے کا دعویٰ ہے اور بعض ان کی متبرک شخصیات کی طرف منسوب ہیں، جن میں ان کے اقوال جمع ہیں، مشائخ یہود کے مجتہدات سے متعدد کتابیں بھری پُری ہیں۔ ذیل میں چند کتابوں کا تعارف پیش کیا جاتا ہے:

(۱) ''تناخ / تنخ'': یہودیت میں سب سے اہم کتاب تناخ مانی جاتی ہے، اس کتاب کے تین حصے ہیں، اس کا پہلا حصہ ''تورات'' ہے، یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ تورات مستقل کتاب نہیں ہے۔

اس کا دوسرا حصہ ''نوی ایم'' ہے؛ اس میں انبیائے بنی اسرائیل جیسے حضرت یوشع، یشعیاہ، حزقیل اور دیگر بارہ نبیوں کی تاریخ کا ذکر ہے اور عقائد بھی بیان ہوئے ہیں۔

تیسرا حصہ ''کیثویم'' ہے، اس میں زبور، امثال سلیمان، کتاب ایوب و دانیال اور دیگر آثار مذکور ہیں۔

تناخ کے پہلے حصے ''تورات'' کے بارے میں اُن کا اتفاق ہے کہ یہ موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ بقیہ دو حصے دوسرے پیغمبروں اور دوسری شخصیات کی تصنیف ہیں۔

(۲) ''تلمود'': دو ہیں ایک ''بابلی'' اور دوسری ''جلیلی'' دونوں پانچویں صدی قبل مسیح تصنیف کی گئی ہیں، یہودیت میں یہ بڑی اہمیت رکھتی ہیں؛ اس لیے کہ ان میں علماء یہود اور ان کے مشائخ کے مجتہدات جمع ہیں، انھوں نے تورات میں بیان کردہ مضامین کی جو تفصیلات بتائی ہیں وہ بھی اس میں درج ہیں، گویا اسے تورات کی تفسیر کا درجہ حاصل ہے۔

(۳) ''بلاخاہ'': اس میں یہودیت کی روایات موجود ہیں، یعنی قانونی اور اخلاقی روایات کا یہ مجموعہ ہے۔

(۴) ''ہلکہ'': خالص احکام وشرائع، اوامر ونواہی، حلال وحرام اور صغائر وکبائر اس میں درج ہیں۔

(۵) ''ہجدہ'': یہ کتاب مذہبی روایات، سیرت انبیاء، آثار اور قصص کو شامل ہے۔

یہاں چند اہم کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے، ان کے علاوہ بھی بہت سی کتابیں ہیں؛ یہاں احاطہ مقصود نہیں۔

## یہودیوں کے فرقے

یہودیوں میں بہت سے فرقے ہیں، چند فرقے مشہور ہیں:

(۱) راسخ العقیدہ (آرتھوڈکس) یہ فرقہ تورات، تلمود وغیرہ کی روایات، قوانین اور اخلاقیات پر عمل پیرا ہے۔

(۲) رجعت پسند (کاتھولک) اپنی اصل تعلیمات کو اصلی شکل میں باقی رکھنا چاہتا ہے۔

(۳) اصلاح پسند (پروٹسٹنٹ) یہ فرقہ پرانی روایات وتعلیمات میں اصلاحات کا قائل ہے، یعنی جدت پسند ہے۔

## یہودیوں کی تعداد

تورات کے چوتھے حصے میں بنی اسرائیل کے ابتدائی چالیس سال کی تاریخ لکھی ہوئی ہے، اس میں تعداد بھی لکھی ہے، یہ حصہ مردم شماری پر مشتمل ہے:

(الف) جب فرعون سے نجات پاکر بنی اسرائیل نے دریائے نیل کو پار کیا تھا تو اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی مردم شماری کی تھی تو یہ لوگ بیس لاکھ تھے، پھر وہ تعداد گھٹی، موجودہ ترجمۂ تورات میں ان کی تعداد چھ لاکھ تین ہزار پانچ سو پچاس لکھی ہے۔

(ب) ۲۰۰۶م کی مردم شماری کے لحاظ سے ان کی تعداد دنیا بھر میں چودہ ملین ہے یعنی ایک کروڑ چالیس لاکھ ہے، یعنی اب ان کی تعداد ڈیڑھ کروڑ کے قریب ہے۔

## یہودی کہاں کہاں ہیں؟

سب سے زیادہ یہودی اسرائیل میں ہیں، وہاں ان کی بااختیار حکومت ہے، اگرچہ ان کے یہاں بھی الیکشن ہوتا ہے اور پارلیامنٹ میں مسلمان اور دوسرے مذہب کے لوگ بھی ممبر ہوتے ہیں؛ لیکن غلبہ انھیں کا ہے؛ اسی لیے عبرانی زبان کو اولیت حاصل ہے، اسکولوں میں یہ لازمی زبان ہے پھر انگریزی پھر عربی؛ وہاں مسلمان عرب بھی بڑی تعداد میں رہتے ہیں؛ فلسطین کا ایک حصہ اسرائیل میں ہے۔

امریکہ میں یہودی بڑی اقلیت ہیں، ایران میں بھی تھوڑے یہودی ہیں، وہاں کی پارلیامنٹ میں ان کی نشست بھی مخصوص ہوتی ہے، ازبکستان اور ترکی وغیرہ میں بھی کچھ یہودی موجود ہیں۔

### عہدنامۂ قدیم

''عہدقدیم'' ایک اصطلاح ہے، اس کی حد بندی میں پیدائش (تخلیقِ کائنات) سے ''ملاکی'' نبی تک کے زمانے کو لیا جاتا ہے، یعنی پانچویں صدی قبل مسیح تک عہدقدیم مراد لیتے ہیں، ملاکی نبی کو انبیائے صغریٰ یعنی غیر اولوالعزم پیغمبروں میں شمار کیا جاتا ہے، ان کے بارہ صحیفے بائبل میں موجود ہیں، ان کا صحیفہ ''کتابِ ملاکی'' کے نام سے سب سے اخیر میں شامل ہے، اِسے ملاکی نبی کی تصنیف کہا جاتا ہے، انھوں نے یہودیوں کو غیر یہودی عورتوں سے نکاح کرنے سے منع کیا، ہفتہ کی عید کا احیاء کیا۔

''عہدنامۂ قدیم'' سے یہود کی ساری کتابیں مراد لی جاتی ہیں جو ایک فرقے کے عقیدے کے لحاظ سے انتالیس اور دوسرے عقیدے کے لحاظ سے چھیالیس ہیں۔

### عہدنامۂ جدید

''عہدجدید'' متّی کی انجیل سے مکاشفہ تک کے زمانے کو کہتے ہیں اور ''عہدنامۂ جدید'' میں ستائیس کتابیں شامل مانی جاتی ہیں یعنی چاروں اناجیل، رسولوں کے اعمال، حواریوں کے خطوط اور مکاشفے۔

### توارت کا تعارف

''تورات'' کے معنی ''سبق'' کے ہیں، یہ ''تناخ'' کے تین حصوں میں سے پہلا حصہ ہے، تورات کے پانچ حصے ہیں، ہر حصے کو ''سِفر'' کہا جاتا ہے، ''پہلا حصہ'' تخلیقِ کائنات کے بیان پر مشتمل ہے، اسے ''تکوین'' اور ''پیدائش'' بھی کہتے ہیں، عربی کا جو ترجمہ راقم حروف کے پاس ہے، اس میں پہلے حصے کو ''کتاب الخلیقۃ'' لکھا گیا ہے۔

''دوسرے حصے'' میں بنی اسرائیل کے فرعون سے نجات اور مصر سے نکلنے کے احوال لکھے ہوئے ہیں۔

''تیسرے حصے'' میں کاہنوں اور احبار کی باتیں یعنی ''آثار'' کا بیان ہے۔

''چوتھے حصے'' میں بنی اسرائیل کی مردم شماری کی گئی ہے۔

''پانچویں حصے'' میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اقوال لکھے ہیں جس کی حیثیت ''احادیث'' کی ہے۔

### ''سِفرِ اوّل'' کا تعارف

یہ پہلا حصہ ہے، اس میں ستاون قرارت (ابواب) اور ایک ہزار پانچ سو تینتیس (۱۵۳۳) آیات ہیں، ہر قرارت کے بارے میں اس کے پڑھنے کا دن اور اس کی تاریخ متعین کی گئی ہے، اس کا موضوع تین سوالوں کا جواب ہے؛ (الف) انسان کو کس نے پیدا کیا؟ (ب) انسان کیوں پیدا کیا گیا؟ (ج) مرنے کے بعد کہاں جانا ہے؟

ان تینوں سوالوں کا جواب تفصیل سے دیا گیا کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا، اس کی ابتداء آدم وحواء علیہما السلام سے ہوئی تاریخی انداز میں قصہ لکھا ہے، اللہ نے انسانوں کو عبادت کے لیے پیدا کیا اور مرنے کے بعد ہمیشہ رہنے کی جگہ جنت اور جہنم ہے جس نے گناہوں سے اپنے کو بچایا جنت میں جائے گا ورنہ جہنم میں جائے گا۔ (پیدائش ۶/۱۵)۔

اس میں زمین وآسمان کی ابتدائی تاریخ کا ذکر ہے، آدم وحواء کے بعد انبیائے کرام میں سے حضرت نوح، لوط، ابراہیم، اسحاق، یعقوب اور یوسف علیہم السلام کی تاریخ تفصیل سے لکھی ہے اور بہت سی ایسی شخصیات کے نام بھی ہیں جن کے بارے میں ہمیں نہیں معلوم کہ وہ نبی ہیں یا صحابی یا دینی شخصیات، مثلاً حنوک، آشر، اناکیم، برر مسیس، دان، لابان اور کوش وغیرہ۔

حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر بڑی تفصیل سے ہے طوفان اور کشتی نوحؑ وغیرہ کا بھی ذکر ہے؛ یہاں تک کہ حضرت آدمؑ سے حضرت نوحؑ تک دس شخصیات کا نسب نامہ بھی بیان کیا ہے (پیدائش باب ۵) یہ انداز بیان انسانی تحریر کا ہی معلوم ہوتا ہے۔

## تورات میں انسانی تصنیف کا انداز

تورات کے بارے میں مولانا عبدالحق حقانیؒ نے ''عقائد الاسلام'' (ص ۸۸) میں لکھا ہے کہ اصل تورات کا ایک ہی نسخہ بیت المقدس میں رکھا تھا، اسے بخت نصّر نے جلا ڈالا، تو مشائخ یہود نے اپنی یادداشت سے مذہبی باتیں لکھیں، یہ بات بڑی معقول معلوم ہوتی ہے؛ اس لیے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ''ترجمۂ تورات'' میں پہلے آٹھ صفحات کی تمہید ہے جس میں موسیٰ علیہ السلام کو ''اول الانبیاء'' لکھا ہے؛ حالاں کہ ایسی بات نہیں، ان سے پہلے بھی حضرت آدم، نوح، لوط، ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یوسف علیہم السلام انبیاء گزر چکے ہیں، پھر جب تورات شروع ہوئی ہے تو انداز انسانی تصنیف کا اختیار کیا گیا ہے، ''بسم اللہ الحی الأزلی'' کے بعد لکھا ہے:

(۱) ''نَبْتَدِئُ بمعونةِ الإله الذي أعْلَنَ لِأحِبّائِه، مَخْلُوْقَاتِهٖ وَنَوامِيْسِهٖ بِنُسُخِ مُصْحَفِ التوراةِ وهو خَمْسَةُ أسفار'' الخ (ص ۹)

ترجمہ: ہم اس معبود کی مدد سے شروع کرتے ہیں جس نے اپنے دوستوں، اپنی مخلوقات اور اپنے فرشتوں کو مصحف تورات لکھنے کا اعلان فرمایا اور وہ پانچ حصے ہیں الخ

غور کیجیے کہ اللہ کی مدد سے بندہ لکھ رہا ہے، اس میں اللہ کی کتاب یا اللہ کے کلام ہونے کی بات کہاں ہے؟

### (۲) تقسیم ابواب وقرارت

تورات کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے، یہ بھی انسانی تصنیف کا انداز ہے، اللہ کی کتاب قرآن پاک میں تو ایسا نہیں ہے؛ حالاں کہ قرآن پاک پچھلی تینوں کتابوں اور تقریباً سو صحیفوں کا مجموعہ اور خلاصہ ہے، سب کے مضامین اس میں ہیں تو اس کو اور بھی ابواب وفصول پر تقسیم ہونا چاہیے!

### (۳) پڑھنے کے دنوں کی تفصیلی تعیین

''ترجمۂ تورات'' میں اولاً اس کے پانچ حصے کیے گئے ہیں پھر ہر حصے میں پڑھنے کے دنوں کی تعیین کی گئی ہے، مثال کے طور پر کتاب ''پیدائش'' یہ پہلا حصہ ہے۔ اس میں ستاون قراءتیں ہیں اور ہر قراءت کا دن اور وقت متعین ہے، پہلی اور دوسری قراءت کو دوشنبہ کی رات کو، تیسری قراءت کو سہ شنبہ کی رات کو، چوتھی کو چہارشنبہ کی رات کو الخ پڑھنے کی تعیین بھی بتاتی ہے کہ اسے کسی انسان نے مرتب کیا ہے۔

### (۴) معقولیت سے بعید باتیں

تورات، کتاب پیدائش کی قراءت ستاون میں لکھا ہے کہ ''حضرت یعقوب علیہ السلام کی وفات ہوئی تو چالیس دن تک جسد مبارک کو حنوط وکافور لگایا جاتا رہا، ستر دنوں تک بنی اسرائیل نوحہ کرتے رہے، پھر فرعون سے اجازت لی اور کنعان (مغارہ) میں دفن کے لیے لائے گئے۔''

یہاں کوئی بھی معقول پسند آدمی غور کرے گا تو اُسے اشکال ہوگا:

(الف) پہلی بات یہ کہ نبی کے جسد اطہر کو ایک سو دس دن تک کیسے رکھا گیا؟

(ب) حضرت یوسف علیہ السلام اور دوسری برگزیدہ شخصیات نے اس تاخیر کو گوارہ کیوں کر کیا؟

(ج) نبی کی رحلت پر اتنا طویل نوحہ کرنا کیا جائز تھا؟

(د) سب سے اہم سوال یہ ہوگا کہ کیا ایسا مضمون اللہ کی کتاب میں تفصیل سے بیان کیے جانے لائق ہے؟ کیا یہ محض تاریخ اور سنی سنائی باتوں جیسی بات نہیں ہے؟

### سفر دوم کا تعارف

تورات کا دوسرا حصہ ''سفرِ دوم'' کہلاتا ہے، اس میں ''بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کے واقعات اور اس سے ملحق باتوں کا بیان ہے'' اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام ہے، ان کی جو اولاد ان کے ساتھ مصر میں داخل ہوئی تھی اس میں ان کا ذکر ہے، اس میں موسیٰ علیہ السلام کی قیادت وسیادت اور ان کی ہدایات کا بھی ذکر ہے، اس کی تصنیف کی تاریخ ۱۴۵۰ قبل مسیح بتائی جاتی ہے، یہ کوہِ طور اور جبل سینا کا زمانہ ہے، اسی میں الواح موسیٰ علیہ السلام بھی مذکور ہیں جن میں وہ دس احکام ہیں جو یہودیت کی اساس ہیں۔

''سفر دوم'' کے تین حصے ہیں، ''پہلے حصے'' میں پہلے باب سے بارہویں باب تک مصر میں بنی اسرائیل کی غلامی کی تاریخ ہے، فرعون کے مظالم کا بیان ہے۔

اور ''دوسرے حصے'' میں میدانِ ''تیہ'' کا ذکر ہے، جہاں چالیس سال تک اللہ تعالیٰ نے ان کو محصور رکھا، اس کی تفصیل بارہویں باب سے اٹھارہویں باب تک ہے۔

''تیسرے باب'': میں شریعت دیے جانے کی تاریخ بیان کی گئی ہے اور وہ انیسویں باب سے چالیسویں باب تک ہے، اسی پر سفر دوم مکمل ہوا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا تفصیلی قصہ سفر دوم میں ہی ہے، یہیں سے مفسرین نے لے کر اپنی کتابوں میں شامل کیا ہے۔ (دیکھیے ص ۱۹۶ وغیرہ)۔

## کیا حضرت شعیبؑ موسیٰ علیہ السلام کے خسر ہیں؟

تفسیر کی کتابوں میں ''مدین'' کے حضرت شعیبؑ کو موسیٰ علیہ السلام کا خسر کہا گیا ہے؛ حالاں کہ کسی مضبوط روایت میں یہ بات موجود نہیں ہے؛ اس لیے بھی یہ بات معقول نہیں ہے کہ حضرت شعیب اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے زمانے میں بہت فرق ہے، جتنا فرق پردادا اور پڑپوتا میں ہوتا ہے اتنا ہی فرق ہے، شجرۂ انبیاء کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شعیبؑ حضرت ابراہیمؑ کے پوتے یا پڑپوتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام (حضرت ابراہیمؑ کے پوتے) حضرت یعقوبؑ کے پڑپوتے ہیں، تو کیا خسر پردادا کے برابر ہوگا؟ عموماً ایسا نہیں ہوتا۔

''تورات'' ''سفر دوم'' (ص ۲۵۹) میں مدین کے ''رعویل'' نامی عالمِ دین کا ذکر ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام مصر سے بھاگ کر ''مدین'' پہنچے تو وہاں ''رعویل'' نامی آدمی کی سات بیٹیاں کنویں کے پاس تھیں، ملاحظہ ہو:

"و كانَ لِحَبْرِ مَدْيَنَ سبعُ بناتٍ فَكُنَّ يأتينَ." الخ

ترجمہ: اور مدین کے عالم کی سات بیٹیاں تھیں جو (بکریوں کو لے کر کنویں کے پاس) آتی تھیں۔

آگے لکھا ہے:

"فَأَتَيَانِ إِلىٰ "رَعْوِيْلَ" أَبِيْهِنَّ". الخ (سفر دوم ص ۲۵۹)

ترجمہ: چنانچہ دونوں اپنے والد ''رعویل'' کے پاس آئیں۔

پھر آگے شادی کا تذکرہ ہے۔ (ایضاً ص ۲۶۰)

اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت شعیبؑ کے بجائے حضرت ''رعویل'' ہیں اور یہ مدین کے

دانش منداور عالم دین ہیں، جن کی بیٹی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نکاح کے قائل یہود ہیں۔ وہ حضرت شعیبؑ کوخسر نہیں مانتے، مسلمانوں کے پاس بھی کوئی مضبوط دلیل نہیں؛ اس لیے یہاں سکوت اختیار کرنا بہتر ہے کہ کہیں تورات میں بھی یہودیوں نے غلط ہی لکھا ہو۔

## ''سفرسوم'' کا تعارف

تورات کا تیسرا حصہ احبار یعنی علمائے یہود کے اقوال کے بیان میں ہے، اس کا زمانۂ تصنیف بھی وہی ہے جو سفر دوم کا ہے، اس میں حضرت یعقوبؑ اور لیاہ (زوجہ) کے بیٹے لاوی کی اولاد کا خصوصیت کے ساتھ ذکر ہے، انھیں کو ہیکل (عبادت خانہ) کی خدمت کے لیے منتخب کیا گیا تھا۔ (گنتی ۳/۶، ۵)۔

اس میں احبار کی زبانی بہت سے احکامات بیان ہوئے ہیں، ان میں سے جانور کی قربانی بھی ہے، گناہوں اور گناہوں کے کفارے کے لیے جانور ذبح کرنے کا بھی ذکر ہے۔ نذر (منت)، تہوار، حلال وحرام اور صدق وکذب کا بیان ہے۔ پردے کے احکامات بھی بیان ہوئے ہیں، محرم عورتوں کی تفصیلات بھی درج ہیں۔ دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا ان کے نزدیک بھی حرام ہے۔ (دیکھیے: ص ۵۵۸، ۵۵۹)۔

## گناہوں پر موت کی سزا

''سفرسوم'' کی قرارت نمبر دس میں ان گناہوں کو بیان کیا گیا ہے جن کے کرنے والوں کے لیے موت کی سزا مقرر ہے؛ مثلاً زنا، ہم جنسی، ماں باپ کو گالی دینے اور جانور سے بدفعلی کرنے اور کرانے پر موت کی سزا بتائی گئی ہے۔ (سفرسوم: احبار، قرارت ۱۰، ص ۵۷۰)۔

''سفرسوم'' کے دو حصے ہیں، ''پہلے حصے'' میں خدا کی عبادت کا بیان ہے پہلے باب سے سترہویں باب تک اس کی تفصیلات درج ہیں، ''دوسرے حصے'' میں پاک زندگی کے اصول بیان ہوئے ہیں، اس کی تفصیلات اٹھارہویں باب سے ستائیسویں باب تک پھیلی ہوئی ہیں۔

## ''سفر چہارم'' کا تعارف

تورات کے چوتھے حصے کے طور پر جس حصے کو جانا جاتا ہے، اس میں بنی اسرائیل کی مردم شماری کی گئی ہے؛ اس لیے اس کو ''سفر العدد'' کہتے ہیں، اردو میں اِسے ''گنتی'' کہا جاتا ہے، اس میں بنی اسرائیل کے ابتدائی چالیس سال کی تاریخ لکھی گئی ہے؛ لکھا ہے کہ فرعون سے نجات کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے مردم شماری کی، اس وقت بیس لاکھ کی تعداد تھی، پھر گھٹ گئی۔

اس حصے میں چھ لاکھ تین ہزار پانچ سو پچاس بنی اسرائیل کا تذکرہ ہے، اس میں تصنیف کا انداز ایسا نہیں ہے کہ اِسے اللہ کی کتاب کہا جائے۔ ووٹرلسٹ جیسا ہے تو اسے اللہ کی کتاب کیوں کر کہا جاسکتا ہے؟

## یہ حصہ بھی کتاب اللہ نہیں ہوسکتا

یہود کے دعوے کے مطابق چوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے بنی اسرائیل کی مردم شماری کی تھی؛ اس لیے اِسے اللہ کی کتاب نہیں کہا جاسکتا ہے؟ آخری وحی قرآن پاک ہے، اس کا پڑھنے والا اس حصے کو ہرگز کتاب اللہ باور نہیں کرسکتا، اللہ رب العالمین اپنی کتاب میں اتنی بڑی تعداد کے نام ان کے نسب کے ساتھ لکھ کر نازل فرمائیں، یہ بھی بہت بعید ہے؛ اس لیے کہ ناموں کے گننے سے تورات، کتابِ ہدایت کس طرح کہلائے گی؟

## مصر سے کنعان تک

اس میں مصر سے نکلنے کے بعد کنعان تک جانے کا ذکر بھی ہے، صرف نو دن کی مسافت تھی؛ مگر اڑتالیس سال کا عرصہ گزرنے کے بعد وہ پہنچے۔

''سِفر چہارم'' کے چار حصے ہیں، ''پہلے حصے'' میں سفر پر جانے کی تیاری کا ذکر ہے یعنی پہلے باب سے دسویں باب تک، پھر ''دوسرے حصے'' میں کنعان کی تفصیلات ہیں یعنی گیارہ سے چودہویں باب تک، پھر ''تیسرے حصے'' میں یعنی پندرہویں باب سے پینتیسویں باب تک صحرانوردی کی داستان ہے اور آخری ''چوتھے حصے'' میں کنعان میں داخل ہونے کی دوسری کوشش کا بیان ہے یعنی چھتیسویں باب سے اخیر تک یہی تفصیلات ہیں۔ غور کیجیے تو سمجھ میں آئے گا کہ یہ تو بنی اسرائیل کی آپ بیتی ہے، کتاب اللہ ہرگز نہیں۔

## سفر پنجم کا تعارف

موجودہ ترجمۂ تورات کا پانچواں حصہ ''استثناء'' کہلاتا ہے، اس کا دوسرا نام ''تثنیہ'' ہے، تثنیہ کے معنی ہیں: دو، اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پچھلے احکام کو دوبارہ تصنیف فرمایا تھا؛ تاکہ بنی اسرائیل دوبارہ نافرمانی نہ کریں، اس سے بھی سمجھ میں آتا ہے کہ اس کا درجہ کلام موسیٰ (احادیث) کا ہے، کلام الٰہی کا نہیں۔ انبیاء کے اقوال میں اللہ کی بات کا آنا معروف ہے؛ لیکن اس کی وجہ سے ان کو کلام الٰہی نہیں کہا جاسکتا۔

''استثناء'' کی وجہ تسمیہ مجھے معلوم نہیں اور کہیں دیکھا بھی نہیں، بظاہر مجھے سمجھ میں آتا ہے کہ چوں کہ پانچواں حصہ داخلِ تورات نہیں تھا، موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے چھ سو سال کے بعد اسے تورات میں شامل کیا گیا ہے؛ اس لیے اس کا نام استثناء رکھا گیا، یعنی تورات میں غیر شامل حصہ، واللہ اعلم

جب بنی اسرائیل ''میدانِ تیہ'' (موآب) میں خیمہ زن تھے تبھی اس کی تصنیف ہوئی ہوگی، اور وہ ۱۴۰۰ قبل مسیح کا زمانہ ہے۔

اس میں خطبات موسیٰ ہے، موسیٰ علیہ السلام کی آخری زندگی کے واقعات بھی ہیں؛ بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا ذکر بھی ہے، اس پر اشکال ہوتا ہے کہ جس کتاب میں خود موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا ذکر ہے، اس کے بارے میں کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ وہ ان پر نازل ہوئی ہے، اس کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ یہ باتیں ان کے خلیفہ حضرت یوشع بن نونؑ نے بڑھائی ہیں جن کی قیادت میں بنی اسرائیل کی نئی نسل ''وادی تیہ'' سے ''کنعان'' میں داخل ہوئی تھی۔

غرض یہ کہ تورات میں ہیر پھیر اور اضافے کا اعتراف خود یہودیوں کو بھی ہے؛ اس لیے یہ کتاب کلام الٰہی نہیں ہے، ہم اس تورات پر ایمان رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی تھی، موجودہ تورات چوں کہ انسانی تصنیف ہے؛ اصل کتاب کے الفاظ ومعانی میں تبدیلی ہوئی، پھر مشائخِ یہود نے اپنی یادداشت سے تصنیف کی پھر مزید اس میں تبدیلی ہوتی رہی؛ اس لیے موجودہ ترجمۂ تورات پر اصل تورات ہونے کا دعویٰ بلادلیل ہے۔ ''لطائف قاسمیہ'' میں حضرت نانوتویؒ نے بھی لکھا ہے کہ موجودہ تورات اللہ کی کتاب نہیں ہے۔

## موجودہ تورات اصل تورات نہیں

موجودہ تورات کو اصل تورات کہنا اس وجہ سے بھی درست نہیں ہے کہ جب ''بخت نَصّر'' نے یہودیوں کا قتلِ عام کیا، اس وقت بیت المقدس میں تورات کا صرف ایک نسخہ تھا جسے اُس نے جلادیا تھا۔ (عقائدالاسلام حقانی، ص ۸۸)۔

اس کے بعد لوگوں نے اپنی یادداشت سے دوبارہ لکھا؛ اس لیے بھی اس کا انداز عام انسانوں کی کتاب جیسا ہے، اس میں ابواب اور قراءتیں الگ الگ ہیں، ہزاروں بنی اسرائیل کے نام ونسب بھی اس میں درج ہیں؛ یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام کی وفات حسرت آیات کا ذکر بھی ہے، اگر یہ کتاب موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی ہے تو اس میں ان کی وفات کی تفصیلات کا ہونا غیر معقول ہے، اسی وجہ سے اس اشکال کو دور کرنے کے لیے یہودیوں نے اعتراف کیا کہ یہ بعد میں حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے بڑھادیا ہے؛ حالاں کہ یہ بات بھی غلط ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کے بعد کے قصے بھی اس میں لکھے ہوئے ہیں۔ پھر بعد میں اس میں بھی انھوں نے تبدیلی کرڈالی؛ اس لیے صحیح بات یہ ہے کہ تورات کے ضائع ہوجانے کے بعد ''مشائخِ یہود'' نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے قصے اور کچھ دینی دستوروں کو جمع کردیا اور اس کا نام تورات رکھ دیا، (عقائدالاسلام، ص ۸۸)۔

(باقی آئندہ)

# گمراہ کن کتب کے منفی اثرات

از: مولانا غلام اکبر لاشاری
فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور، پاکستان

محاورہ مشہور ہے کہ خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ ایک شاعر نے فارسی میں اس کو یوں تعبیر کیا ہے:

صحبتِ صالح تُرا صالح کند
صحبتِ طالح تُرا طالح کند

یعنی نیک انسان کی صحبت تمہیں نیک بنا دیتی ہے اور برے لوگوں کی صحبت تمہیں برا بنا دے گی۔

انسان جامد تو ہے نہیں کہ اس پر صحبت کا اثر نہ ہو، اس لیے انسان جس قسم کے لوگوں میں صحبت اختیار کرے گا اس پر ان کی صحبت کے اثرات ضرور مرتب ہوں گے۔ یہی حال کتب کا ہے انسان جیسی کتب کا مطالعہ کرے گا اس کے دل و دماغ پر اور عادات واطوار پر ان کے نقوش و آثار کا اظہار بھی ہوگا؛ اس لیے کتب کا مطالعہ کرنے سے قبل یہ تسلی ضرور کرلیں کہ یہ کتاب کسی گمراہ، ملحد یا دین بیزار کی تو نہیں اور وہ کتاب استفادہ کی بجائے کہیں گمراہی اور نقصان کا سبب تو نہیں بن سکتی۔

اگر وہ کتاب غلط یا کسی گمراہ کی تصنیف ہوئی تو اس کی وجہ سے آپ کے عقائد متزلزل نہ سہی آپ کو ایک طرف سوچنے پر ضرور مجبور کردے گی جس سے آپ اپنے عقائد میں شکوک وشبہات کا شکار ہوجائیں گے۔ آپ کے نظریات میں نمایاں بے راہ روی اور انتشار پیدا ہوگا۔ جس کے نتائج انتہائی خطرناک ثابت ہوسکتے ہیں؛ اس لیے کتب کے انتخاب میں حزم واحتیاط سے کام لیں۔ یہ عوام کے لیے بہت ضروری ہے۔

البتہ علماء کرام اور اہلِ علم طبقہ اپنے عقائد ونظریات میں چونکہ پختہ ہوتے ہیں وہ کسی بھی بات کو

قرآن وسنت کے بنا حجت تسلیم نہیں کرتے؛ اس لیے باطل کے دلائل ان کے سامنے تارِ عنکبوت سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔ علماء کرام ان کی کتب کا مطالعہ متعدد پہلوؤں کو سامنے رکھ کر کرتے ہیں۔ باطل کی سازشوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنے، پھر ان کا رد کرنا اور جواب دینا مقصود ہوتا ہے۔ یہ ان کی بات ہورہی ہے جو راسخ فی العلم ہوں۔

مگر! اہل علم کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو باطل پر مکمل دسترس نہیں رکھتا۔ ان کی سازشوں اور ان کے منطقی دلائل سے ناواقف ہوتا ہے ان کے لیے بھی مناسب یہی ہے کہ وہ بھی ایسی کتب سے احتراز کریں مجھے چونکہ اس کا احساس ہے؛ اس لیے کہ میرے سامنے ایسے کئی واقعات رونما ہو چکے ہیں۔

میرے ایک ہم جماعت ہیں (اب تو ماشاء اللہ مفتی بھی ہیں) ایک بار ان کو تیونس کے ڈاکٹر تیجانی سماوی کی کتاب ''حکم آذاں'' مطالعہ کرنے کے لیے دیا اور ساتھ یہ بھی عرض کیا کہ پڑھ کر مجھے بتائیے گا کہ کتاب کیسی ہے؟ اور آپ نے اس سے کیا سیکھا؟ البتہ جاتے جاتے انہوں نے ویسے پوچھ لیا کہ اس کا مصنف کون ہے؟ کیونکہ اس کا نام ان کے لیے غیر معروف تھا۔ میں نے اشارتاً ان کو بتلا دیا؛ مگر ساتھ میں یہ بھی درخواست کی کہ مجھے آپ سے اس بارے میں تبصرہ ضرور چاہیے۔ کچھ دنوں بعد کتاب واپس لائے اور انتہائی حیرانی کے ساتھ کہنے لگے کہ اگر آپ نے مجھے اس کے نظریات بارے نہ بتلایا ہوتا تو شاید میں ان کی باتوں میں آجاتا اور اس کو بالکل درست سمجھ لیتا۔

بخدا اس نے جس منطقی اور فلسفی انداز میں ملمع سازی کر کے اپنے عقائد ونظریات ثابت کیے ہیں اس سے سادہ لوح مسلمان ضرور گمراہ ہو جائیں گے۔ میرا مقصود چونکہ اس طرف متوجہ کرنا تھا کہ باطل کس طرح حملہ آور ہے اور ہم اپنی سادہ لوح عوام کے لیے کیا کر رہے ہیں؟ بہرحال علماء کرام سے اب بھی یہی درخواست کرتا ہوں کہ وہ باطل کی کتب کا تنقیدی مطالعہ کر کے ان کے نظریات کی بیخ کنی کریں اور ان کے گمراہ کن عقائد سے امت مسلمہ کے ایمان کی حفاظت کرنے میں کردار ادا کریں۔

اسی طرح ایک جید عالم دین ہیں ایک بار دورانِ ملاقات انہوں نے عجیب انکشاف کیا کہ مولانا! آپ تو ہر قسمی کتب کا مطالعہ کرتے ہیں کبھی غلام احمد پرویز کی کتب زیر مطالعہ رہی ہیں؟ میں نے عرض کیا جی دو تین کتب اس کی پڑھی ہیں، کہنے لگے: میں اس کی کتب بہت شوق سے پڑھتا تھا، کچھ عرصہ بعد مجھے ایسا محسوس ہوا کہ ہمارے سارے اکابر بشمول امام بخاریؒ امام مسلمؒ وغیرہم گمراہ تھے، ان کے پاس علم کچھ نہیں تھا۔ اور یہ سب اثرات غلام احمد پرویز کی کتب بینی کے ہیں، باطل کا سب

سے بنیادی مشن امت مسلمہ کو علماء کرام سے دور کرنا ہے؛ کیونکہ وہ جب علماء کرام سے بدظن ہو جائیں گے تو ان کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنا بالکل آسان ہوگا اور اپنے نرغے میں لے کر ان کو اسلام سے دور کرنا کوئی مشکل نہیں ہے یہ تو دو واقعات ذکر کیے ہیں جن کا میں عینی شاہد ہوں ورنہ ایسے بے شمار واقعات موجود ہیں۔

خدارا کوشش کریں کہ اپنے بچوں کو علماء کرام کے پاس بھیجیں ان کو عالم فاضل بنائیں؛ تاکہ وہ اپنا ایمان ان ایمان کے ڈاکوؤں سے محفوظ رکھ سکیں۔ اگر عالم نہ بنا سکیں تو علماء کرام سے تعلق اتنا استوار ہو کہ وہ ہر مسئلہ ان سے پوچھیں اور صراط مستقیم پر اپنی زندگی بسر کریں۔

مارکیٹ میں ہر قسم کی کتب بہ آسانی مل جاتی ہیں؛ بلکہ آج تو آن لائن کتب بک کرائیں اور تین دن میں کتاب آپ کے گھر ہوگی؛ اس لیے کتاب خریدنے سے قبل اس کے بارے میں علماء کرام سے ضرور آراء لیں۔ ہمارے ہاں عجیب مزاج ہے کہ کوئی غیر مسلم اگر اسلام کے حق میں یا ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کتاب لکھ دے تو اس کو فوراً سے پہلے خریدنا شروع کر دیتے ہیں، یہ نہیں سوچتے کہ اس نے یہ کیوں لکھی؟ اس کے مقاصد کیا ہیں؟ اگر وہ اسلام سے اتنا متاثر ہے تو پھر اسلام قبول کیوں نہیں کر لیتا ہے؟ اہل باطل کا یہ بھی وار کرنے کا ایک طریقہ ہے کہ اس سے وہ بہ آسانی اپنی بات مسلمانوں تک پہنچا لیتا ہے، اس کتاب میں وہ 50 فیصد باتیں آغاز میں اسلام کے حق میں لکھنے کے بعد آخر میں پھر اسلام کے خلاف ایسی باتیں تحریر کرے گا جو بظاہر اسلام کے خلاف تو نہیں ہوں گی؛ مگر وہ آپ کے عقائد و نظریات پر اثر انداز ضرور ہوں گی گویا اس نے ایک تیر سے کئی شکار کیا کر لیے۔

اولاً: اپنی کتاب بیچ کر مال اینٹھا۔

ثانیاً: اپنی ہمدردی مسلمانوں کے دل میں پیدا کر لی۔

ثالثاً: اپنے نظریات آپ تک پہنچائے۔

رابعاً: آپ کے عقائد میں شبہات پیدا کرنے کی راہ ہموار کی۔

خامساً: اپ کا قیمتی وقت ضائع کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

ہمارے مسلمان اتنے سادہ ہیں کہ ایسے لوگوں سے بہت زیادہ متاثر ہونے میں دیر نہیں کرتے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے چند ایسی کتب کی نشاندہی فرمائی ہے کہ جن کے مطالعے سے احتراز از حد ضروری ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ چونکہ

حکیم الامت تھے، وہ باطل کے اس وار سے بخوبی واقعات تھے، وہ اپنے متعلقین اور تلامذہ کو ان سے بچنے کی تلقین فرماتے، عصر حاضر میں تو اور زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے کہ بات صرف کتب تک نہیں رہی بلکہ آج کل میڈیا کا دور ہے، گمراہ قسم کے لوگ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام پر لیکچر دے رہے ہوتے ہیں، رہی سی کسر موبائل اور انٹرنیٹ نے پوری کردی ہے، اب ہر کوئی بلا تحقیق ہر کسی کی ویڈیوز دیکھ رہا ہے اور گوگل سے سرچ کرکے اپنے مسائل تلاش کرکے اپنے گوگل مفتی کے مطابق بیان کرنا اور پھر شیئر کرنا باعث ثواب سمجھتا ہے، خیر یہ سوشل میڈیا الگ عنوان ہے۔

کچھ عرصہ قبل چھوٹی چھوٹی کہانیاں عام ہوتی تھیں جسے اکثر بچے پڑھتے تھے، ان میں کچھ صحابہ کرامؓ کے نام کے ساتھ فرضی کردار شامل ہوتا اور نام کے ساتھ ایک انتہائی غلط لاحقہ بھی ہوتا ''عمرو عیار'' (نعوذ باللہ) بچوں کی اردو دانی چونکہ اتنی اچھی نہیں ہوتی بچے عَمر و کو عُمرُ وعیار (نعوذ باللہ) پڑھتے ایک طرف ایک صحابی کے نام کی بے توقیری و بے حرمتی اور دوسری طرف ان کے نام کے ساتھ لفظ عیار استغفر اللہ۔ اب جب بڑے ہوئے تو وہ نام ابھی تک ویسے پڑھتے چلے آرہے ہیں، یہ سب اثرات ہیں گمراہ کن کتب بینی کے۔ دیکھیے دشمن اسلام نے کس طرح وار کیے؟ اوراس کے دوررس منفی اثرات سے ہماری نسل تو ابھی تک نہیں نکل پائی۔

ہم ایسی کل کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں
کہ جن کو پڑھ کے لڑکے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

خلاصہ یہ ہے کہ ہر کتاب مطالعے کے لائق نہیں ہوتی اور نہ ہی ہر کتاب سے متاثر ہونا چاہیے ایسی کتب کے بارے میں اوران کی مصنّفین کی بابت پہلے معلومات لے لینا زیادہ موزوں ہے اس حوالے سے علماء کرام کی ذمہ داری بھی ہے کہ عوام الناس کو اس پُرفتن دور میں ان سے آگاہ فرمائیں اور عوامی اجتماعات وخطبات میں فتنوں کی سرکوبی بطریق احسن فریضہ منصبی سمجھ کر ادا کریں، ورنہ آج کل ایمان کے ڈاکو ہر سمت مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ زن ہیں، اللہ جل جلالہ ہماری اور تمام امت مسلمہ کے ایمان کی حفاظت فرمائے اور تمام فتن وشرور سے محفوظ فرمائے۔ آمین!

❊ ❊ ❊

# عقلی فنون پڑھنے کے فائدے

از: مفتی محمد طارق محمود
مدرس ومعین مفتی جامعہ عبداللہ بن عمر، لاہور

دینی تعلیم کے نصاب میں منطق، فلسفہ اور اصول مناظرہ وغیرہ عقلی فنون اہم مقام رکھتے ہیں۔ انھیں نصاب میں کیوں رکھا گیا ہے؟ انھیں نہ پڑھنے سے کیا نقصان ہوتا ہے؟ انھیں کس حیثیت سے اور کس حد تک پڑھنا چاہیے؟ زیرنظر مضمون میں یہ سب امور زیر بحث لائے گئے ہیں۔

۱- عقلی فنون ذریعہ ہیں، بذات خود مقصد نہیں: حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا: تعلم المنطق حرام أو مباح أو فرض أو واجب أم حسن؟ واذا كان مباحا بقدر الاصطلاح فماقدره؟ وهل قراءة سلم العلوم وشروحه على قدر الاصطلاح جائز أم لا؟

(منطق سیکھنا حرام ہے یا مباح یا فرض یا واجب یا حسن؟ اور جب مباح ہے تو اس کی مقدار کیا ہے؟ کیا سلم اور اس کی شروح پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟)

فأجاب: العلم المنقول كالأغذية مقصود، والمعقول كالأدوية ضرورى لمن يشتغل بالكفاية من المنقول ولم يسلم ذهنه عن الخطأ فى الاستدلال بدونه. ولما كان الضرورى يتقدر بقدر الضرورة، وقدره مختلف باختلاف الأذهان، فبأى مقدار ترفع الضرورة كان الضرورى هو ذاك المقدار. ومن لاضرورة له ولاضرر كان له مباحا. ومن تضرر به كان له مذموما. وبقدر التضرر يكون الذم من الكراهة والحرمة. (علم منقول غذا کی طرح مقصود ہے، اور علم معقول دوا کی طرح ضروری ہے اس شخص کے لیے جو فرض کفایہ علم دین میں حاصل کرنے میں مشغول ہو اور اس کا ذہن اس کے بغیر دلیل بنانے میں غلطی سے محفوظ نہ رہے۔ اور جب ذریعہ بقدر ضرورت لیا جاتا ہے اور اس کی مقدار مختلف ذہنوں کے لحاظ سے مختلف

ہوتی ہے، تو جس مقدار سے ضرورت پوری ہوجائے اتنی مقدار کافی ہوگی۔اور جسے کوئی ضرورت نہ ہو اور نہ کوئی نقصان ہواس کے لیے مباح ہے۔اور جسے اس سے نقصان ہواس کے لیے برا ہے۔اور جتنا نقصان ہواتنی ہی برائی ہوگی حرمت اور کراہت میں سے)۔(امداد الفتاوی:۴/۷۷، مکتبہ دارالعلوم کراچی، ط:۱۴۳۱ھ) یہ سوال اگرچہ منطق کے بارے میں تھا؛لیکن باقی معقولات کا حکم بھی جواب سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی (متوفی ۱۳۰۲ھ) قدس سرہ کا ارشاد ہے: ہم تو جیسا بخاری کے مطالعہ میں اجر سمجھتے ہیں میرزاہد اور امور عامہ میں بھی ویسا ہی اجر سمجھتے ہیں؛ کیونکہ اس کا شغل بھی اللہ کے واسطے ہے اور اس کا بھی۔یہ بات بڑی قوت سے فرمائی اور واقعی موٹی بات ہے۔دیکھیے باغ کی رونق کے لیے جیسا کہ پھلوں کے درخت لگانا مقبول خدمت ہے ویسے ہی یہ بھی مقبول خدمت ہے کہ اس کی حفاظت کے لیے کانٹے جمع کرکے باغ کے چاروں طرف باڑہ لگادے؛ تاکہ جانور آ آ کر اس کو ویران نہ کردیں۔بس فلسفہ ومعقولات کی یہی مثال ہے کہ وہ کانٹوں کی باڑہ ہے اور یہ خدمت بھی اس اصل خدمت کے ساتھ ملحق ہے۔(ملفوظات حکیم الامت:۱۰/۷۷،۷۸، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط:۱۴۲۹ھ)

پس واضح ہوا کہ عقلی فنون کو اسی درجے میں رکھنا چاہیے جس درجے میں صرف، نحو، بلاغت وغیرہ ادبی فنون کو رکھا جاتا ہے۔جیسے وہ ذریعہ ہیں ایسے ہی یہ بھی ذریعہ ہیں۔مقصد دونوں کا دینی علوم تفسیر، حدیث اور فقہ کی خدمت ہے۔اور سلف صالحین کو جیسے ادب وبلاغت پڑھنے کی ضرورت نہیں تھی ایسے ہی عقلی فنون حاصل کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ان کی طبیعت کی سلامتی اور سلیقہ ان چیزوں سے کافی تھا۔

امام غزالی (متوفی ۵۰۵ھ) رحمہ اللہ نے اصول فقہ پر اپنی کتاب کے مقدمے میں مبادی منطقیہ ذکر فرمائے ہیں۔ان کے شروع میں فرماتے ہیں: وليست هذه المقدمة من جملة علم الأصول ولا من مقدماته الخاصة به، بل هي مقدمة العلوم كلها، ومن لايحيط بها فلاثقة له بعلومه أصلا. (المستصفی:ص۱۰، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط:۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء) اور یہ مقدمہ (صرف) علم اصول (فقہ) کا حصہ نہیں، اور نہ ہی اس کے خاص مقدمات کا حصہ ہے؛ بلکہ یہ سب علوم کا مقدمہ ہے، اور جو اس پر عبور نہ رکھتا ہو اسے اپنے علوم پر بالکل بھروسہ نہ کرنا چاہیے۔

شاطبی (متوفی ۷۹۰ھ) رحمہ اللہ کہتے ہیں: وكذلك أصول الدين وهو علم الكلام انما

حاصله تقرير لأدلة القرآن والسنة أو ماينشأعنها فی التوحيد ومايتعلق به كماكان الفقه تقريرا لأدلتها فی الفروع العملية. (الاعتصام:۱/۴۴،مکتبۃ التوحید،سنہ ندارد) اوراسی طرح اصول الدین اوروہ علم کلام ہے۔اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ قرآن وسنت کی توحیدوغیرہ کے دلائل کی پوری تفصیل کی جائے،جیسے فقہ قرآن وسنت کے فروع عملیہ سے متعلق دلائل کی پوری تفصیل ہے۔

۲-**معقولات کا اثر دوسرے علوم پر:** جب کبھی حضرت مفتی محمد شفیع (متوفی ۱۳۹۶ھ) رحمہ اللہ کے سامنے یہ تجویز پیش ہوتی کہ معقولات کو درس نظامی سے نکال دیا جائے تو حضرت اس کی سخت مخالفت فرماتے تھے۔اور اس کی وجہ یہ تھی کہ تفسیر،حدیث،فقہ،اصول فقہ اور عقائد پر لکھی ہوئی متقدمین کی کتابیں معقولات کی اصطلاحوں سے بھری ہوئی ہیں۔اگر قدیم منطق وفلسفہ کو بالکل نکال دیا جائے تو اسلاف کی ان کتابوں سے خاطر خواہ استفادے کی راہ مسدود ہوجاتی ہے جو ہمارا گراں قدر علمی سرمایہ ہے۔اس کے علاوہ منطق وفلسفے کی تعلیم سے ذہن کو جلا ملتی ہے اور ذہن مسائل کو مرتب طریقے سے سوچنے کا عادی ہوجاتا ہے۔اور اس طرح یہ علوم تفسیر،حدیث،فقہ اور اصول فقہ کے مسائل سمجھنے میں معاون ہوتے ہیں۔(البلاغ مفتی اعظم نمبر: ۱/۳۵۸، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط:۱۴۲۶ھ) نیز دیکھیے:آداب البحث والمناظرة،محمد امین شنقیطی سلفی (متوفی ۱۳۹۳ھ) اس میں مؤلف نے دوفنون جمع کیے ہیں۔منطق اوراصول مناظرہ۔

اصول مناظرہ بھی ایک ضروری فن ہے۔مباحثہ اصول وضوابط کا پابند ہوتو نتیجہ خیز ہوتا ہے ورنہ نرا شور شرابا۔اس کی اصطلاحات دوسرے علوم وفنون میں بھی بکثرت استعمال ہوتی ہیں۔یہ پہلے نصاب میں داخل تھا۔اب کچھ عرصے سے معلوم نہیں کیوں نکال دیا گیا؟۔حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے تو دینی تعلیم کے مختصر نصاب ضمان التكميل فی زمان التعجيل میں بھی اصول مناظرہ کا ایک متن شامل رکھا ہے۔علم اصول مناظرہ دراصل اصول فقہ کی بحث دفع القیاس سے کچھ ترمیم کے ساتھ مأخوذ ہے۔(دیکھیے:نور الانوار:ص۲۴۹،ایچ ایم سعید،کراچی،سنہ ندارد)، اس لیے طلبہ کو کم از کم شریفیہ کا متن تو ضرور پڑھا دینا چاہیے۔

۳- جسے معقولات سے مناسبت نہ ہو اسے یہ نہ پڑھائے جائیں: حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:میرے پاس اکثر طلبہ کے خطوط آتے ہیں کہ منطق سمجھ میں نہیں آتی،کوئی دعا لکھ دیجیے۔میں لکھ دیتا ہوں کہ منطق پڑھنا چھوڑ دو یہی دعا ہے۔ اذا لم تستطع شيئا فدعه.(جب تمھیں کسی کام کی طاقت نہ ہوتو اسے چھوڑ دو) آج کل بعض طبائع کو معقول سے مناسبت نہیں۔سوایسوں کو معقول نہ

پڑھائیں اور صرف دینیات کے بعد تکمیل کی سند دیدیں۔ کانپور میں بعض طلبہ محض دینیات پڑھتے تھے، معقولات نہیں پڑھتے تھے تو ان کو پہلے سند نہیں ملتی تھی۔ میں نے کہا افسوس عالم دینیات کو سند نہ ملے اور معقولات نہ ہونے کی وجہ سے اس کو ناقص سمجھا جائے۔ اسی وجہ سے میں نے دو قسم کی سندیں تیار کرائی تھیں۔ اور ایک میں لکھ دیا تھا فارغ عن الدرسیات، دوسری میں فارغ عن الدینیات. اور جس کو منطق سے مناسبت نہ ہو اس کو بعض ایسی کتب دینیہ جیسے توضیح تلویح، مسلم الثبوت جن میں منطقی اصطلاحیں استعمال کی ہیں ان کا پڑھنا بھی ضروری نہیں۔ (ملفوظات حکیم الامت: ۳۹۰/۲۹، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط: ۱۴۲۵ھ) ان میں سے ایک سند کا عنوان: سند البلاغ الی کمال الفراغ من الدینیات تھا اور دوسری کا عنوان: سند البلاغ الی کمال الفراغ من الدرسیات تھا۔ (دیکھیے: اشرف السوانح: ۹۰/۱-۹۳، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط: ۱۴۲۷ھ)

۴ - معقولات کی مذمت کے اقوال کے معانی: بعض شافعی علماء سے منطق کے اوراق سے استنجاء کرنے کا قول منقول ہے۔ فقہ شافعی کی معتبر کتاب تحفۃ المحتاج سے اس کی مراد دیکھیے۔ (علم محترم كمنطق وطب خليا عن محذور كالموجودين اليوم،لأن تعلمهما فرض كفاية لعموم نفعهما) (قوله لأن تعلمهما الخ) قال فى الامداد: بل هو أى المنطق أعلاها أى العلوم الآلية. وافتاء النووى كابن الصلاح بجواز الاستنجاء به يحمل على ماكان فى زمنهما من خلط كثير من كتبه بالقوانين الفلسفية المنابذة للشرائع، بخلاف الموجود اليوم فانه ليس فيه شيء من ذلك ولا ممايؤدى اليه فكان محترما، بل فرض كفاية، بل فرض عين ان وقعت شبهة لايتخلص منها إلا بمعرفتة. انتهى. بلکہ علم منطق علوم آلیہ میں سے سب سے بڑے درجے کا ہے۔ اور نووی اور ابن صلاح کا یہ فتوی کہ منطق (کے اوراق) سے استنجاء کرنا درست ہے، اس سے مراد وہ منطق ہے جو ان کے زمانے میں تھا، جس میں خلاف شرع بہت سے فلسفی قوانین ملے ہوئے تھے، برخلاف موجودہ منطق کے؛ کیوں کہ اس میں کوئی ایسی چیز نہیں۔ تو یہ قابل احترام ہے؛ بلکہ فرض کفایہ ہے؛ بلکہ فرض عین ہے اگر کوئی ایسا شبہ پیش آیا جس سے منطق جانے بغیر نہ نکل سکے۔ (تحفۃ المحتاج فی شرح المنهاج وحواشی الشروانی والعبادی: ۱۷۸/۱، المكتبة التجارية، مصر، ط: ۱۳۵۷ھ/۱۹۸۳ء، نیز دیکھیے: ردالمحتار: ۴۵/۱، دارالفکر، بیروت، ط: ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء، جامع الرموز مع غواص البحرين: ۶۷۴/۳، دارالكتب العلمية، بيروت، ط: ۲۰۱۸ء)

علم کلام کی مذمت کے اقوال بھی سلف سے منقول ہیں۔ جیسے مثلاً امام ابو یوسف (متوفی ۱۸۲ھ)

رحمہ اللہ فرماتے ہیں: من طلب الدين بالكلام تزندق. (جو دین کو علم کلام سے طلب کرے وہ زندیق ہے)۔اسی طرح اور ائمہ سے بھی مذمت کے اقوال منقول ہیں۔ابن عساکر (متوفی ۵۷۱ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وفی كل ذلك دلالة على ان استحباب من استحب من ائمتنا ترك الخوض فی الكلام انما هو للمعنى الذى أشرنا اليه وأن الكلام المذموم انما هو كلام أهل البدع الذى يخالف الكتاب والسنة. فأما الكلا م الذى يوافق الكتاب والسنة ويبين بالعقل والعبرة فانه محمود مرغوب فيه عند الحاجة تكلم فيه الشافعى وغيره من ائمتنا رضى اللّٰه عنهم عند الحاجة كما سبق ذكرنا له. (تبیین کذب المفتری فیما نسب الی الأشعری:ص۳۵۱،دار الکتاب العربی، بیروت،ط:۱۴۰۴ھ) ان سب واقعات میں اس کی دلیل ہے کہ ہمارے جن ائمہ نے (علم) کلام میں مشغول ہونے کو پسند نہیں کیا اس کی وجہ وہ تھی جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا،اور یہ کہ کلام مذموم صرف وہ ہے جو اہل بدعت کا ہے جو کتاب وسنت کے مخالف ہے۔اور جو علم کلام کتاب وسنت کے موافق ہو اور عقل سے وضاحت کرے وہ بوقت ضرورت پسندیدہ ہے۔اس میں ہمارے ائمہ شافعی وغیرہ نے حصہ لیا ہے۔امام بیہقی (متوفی ۴۵۸ھ) نے بھی امام شافعی (متوفی ۲۰۴ھ) رحمہما اللہ کے مذمت کے قول کی یہی مراد بیان کی ہے۔(نیز دیکھیے:تبیین کذب المفتری:ص۳۳۴-۳۵۲،اشارات المرام:ص۱۱۷-۱۲۶، زمزم، کراچی، ط:۱۴۴۲ھ/۲۰۲۱ء) اس سے واضح ہوا کہ علم کلام کی مذمت میں منقول سلف کے اقوال اپنے ظاہر اور اطلاق پر نہیں۔لہٰذا ان اقوال سے عموم مراد لے کر اہل سنت والجماعت کے متکلمین کی علی الاطلاق مذمت کرنا اور انھیں گمراہ قرار دینا خود گمراہی میں پڑنا ہے۔شرح عقائد نسفیہ کے خطبے میں تفتازانی (متوفی ۷۹۲ھ) رحمہ اللہ نے بھی ان اقوال کے کچھ معانی ذکر کیے ہیں۔(دیکھیے:ص۸،مکتبہ امدادیہ،ملتان)۔

۵- علم کلام کی تدوین کا تاریخی پس منظر: علم کلام کی تدوین کی ضرورت اور تاریخی پس منظر کو اگر دیکھا جائے تو اس سے بھی ائمہ کے مذمت کے اقوال کی مراد سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔مولانا ابوالحسن علی ندوی (متوفی ۱۴۲۰ھ) لکھتے ہیں: (عباسی خلیفہ) معتصم (باللہ ۱۷۹ - ۲۲۷ھ) اور واثق (باللہ ۲۰۰-۲۳۲ھ) کے انتقال پر (جو مذہب اعتزال اور معتزلہ کے سرپرست تھے) معتزلہ کا زور ٹوٹ گیا۔واثق کا جانشین خلیفہ متوکل (علی اللہ ۲۰۵ - ۲۴۷ھ) مذہب اعتزال سے بیزار اور معتزلہ کا دشمن تھا۔اس نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر معتزلہ کی عظمت واقتدار کے نشانات مٹائے اور ان کو حکومت سے بالکل بے دخل کر دیا؛لیکن علمی حلقوں میں ابھی معتزلہ کا اثر باقی تھا۔خلق قرآن کا عقیدہ تو اپنی طاقت کھو چکا

تھا؛لیکن ان کے دوسرے مباحث اور مسائل ابھی تازہ اور زندہ تھے۔معتزلہ نے اپنی ذہانت،علمی قابلیت اور اپنی بعض نمایاں شخصیتوں کی وجہ سے اپنا علمی وقار قائم کرلیا تھا۔اور قضا وافتا اور حکومت کے اندر بعض اونچے عہدوں پر فائز تھے۔تیسری صدی کے وسط میں ان کا خاصا دور دورہ ہوگیا۔عام طور پر یہ تسلیم کیا جانے لگا کہ معتزلہ دقیق النظر، وسیع الفکر اور محقق ہوتے ہیں۔اوران کی آراء و تحقیقات عقل سے زیادہ قریب ہوتی ہیں۔بہت سے نوجوان طالب علم اور شہرت پسند اعتزال کو فیشن کے طور پر اختیار کرتے۔

امام احمد (بن حنبل ۱۶۴ - ۲۴۱ھ) کے بعد حنابلہ میں کوئی طاقتور علمی اور دینی شخصیت نہیں پیدا ہوئی۔محدثین اوران کے ہم مسلک علماء نے علوم عقلیہ اور نئے طریقۂ بحث ونظر کی طرف (جس کا معتزلہ اور فلاسفہ کے اثر سے رواج پڑ چلا تھا) توجہ نہیں کی۔نتیجہ یہ تھا کہ مباحثہ کی مجلسوں اور درس کے حلقوں میں محدثین کی یہ علمی کمزوری اور فلسفہ کے مبادی سے بے خبری محسوس کی جاتی تھی۔اس کے مقابلہ میں علمی مباحثوں میں معتزلہ کا پلڑا بھاری رہتا۔اور جولوگ دین کا گہرا علم نہیں رکھتے تھے اوراس حقیقت سے واقف نہیں تھے کہ سطحی ذہانت معتزلہ کی تائید کرتی ہے،اور پختہ اور گہری ذہانت بالآخر محدثین ہی کے مسلک اور محکمات شریعت کو قبول کرتی ہے،وہ معتزلہ کی حسن تقریر،حاضر جوابی اور علمی موشگافی سے متاثر ہوتے تھے۔اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ظاہر شریعت اور مسلک سلف کی علمی بے توقیری اور اس کی طرف سے بے اعتمادی پیدا ہورہی تھی۔خود محدثین اوران کے تلامذہ کے گروہ کے بہت سے لوگ احساس کہتری کا شکار تھے،اور معتزلہ کی عقلیت اور تفلسف سے مرعوب ہورہے تھے۔یہ صورت حال دینی وقار اور سنت کے اقتدار کے لیے سخت خطرناک تھی۔قرآن مجید کی تفسیر اور عقائد اسلام ان فلسفی نما مناظرین کے لیے بازیچہ اطفال بنے جارہے تھے۔مسلمانوں میں ایک خام عقلیت اور سطحی فلسفیت مقبول ہورہی تھی۔یہ محض ایک ذہنی ورزش تھی۔اوراصطلاحات کی معرکہ آرائی۔اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے اوراس بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کے لیے نہ تو محدثین وحنابلہ کی دینی غیرت اور جوش کافی تھا۔نہ عابدوں وزاہدوں کا زہد وعبادت،اور نہ فقہاء کے فتاوی اور جزئیات ومسائل پران کا عبور واستحضار۔(اور ظاہر ہے کہ اس صورت حال میں ضروری تھا کہ معتزلہ سے ان کی زبان اوراصطلاح میں بات کرکے انھیں بند کیا جاتا۔اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا۔اس پس منظر کو ذہن میں رکھا جائے تو علم کلام کی علی الاطلاق مذمت کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔)

اس کے لیے ایک ایسی شخصیت درکار تھی جس کی دماغی صلاحیتیں معتزلہ سے کہیں بلند ہوں۔جو

عقلیت کے کوچے سے نہ صرف واقف؛ بلکہ عرصہ تک اس کا رہ نوردرہ چکا ہو۔جس کی بلند شخصیت اور مجتہدانہ دماغ کے سامنے اس زمانہ کی عقلیت اور فلسفہ کے علمبردار مبتدی طالب علم معلوم ہوتے ہوں۔اور ایسے پست وحقیر نظر آتے ہوں جیسے کسی دیوقامت انسان کے سامنے پستہ قد انسان اور نوعمر بچے۔اسلام کو فوری طور پر ایک ایسے امام اہل سنت کی ضرورت تھی۔اور شیخ ابوالحسن اشعری (۲۶۰-۳۲۴ھ) کی ذات میں اس کو وہ شخصیت مل گئی۔(تاریخ دعوت وعزیمت:۱/۱۰۳،۱۰۴،مجلس نشریات اسلام،کراچی،سنہ ندار)

امام ابوالحسن اشعری نے معتزلہ اور محدثین کے درمیان ایک معتدل اور متوسط مسلک اختیار کیا۔وہ نہ تو معتزلہ کی طرح عقل کی غیر محدود طاقت اور فرمانروائی کے قائل تھے کہ وہ الٰہیات کے بارے میں اور مابعد الطبیعیات میں بھی بے تکلف عمل کر سکے،اور اس کی جزئیات وتفصیلات اور ذات وصفات باری تعالی کے بارے میں اپنا فیصلہ صادر کر سکے اور اس کو معیار قرار دیا جا سکے۔نہ وہ بعض پرجوش محدثین وغالی حنابلہ کی طرح دین کی نصرت اور عقائدِ اسلامیہ کی حفاظت کے لیے عقل کا انکار اور اس کی تحقیر ضروری سمجھتے تھے۔اور ان کلامی واعتقادی مباحث جو زمانہ کے اثرات سے شروع ہو گئے تھے احتیاط وسکوت واجب سمجھتے تھے۔وہ معتزلہ اور فلسفہ زدہ علماء سے ان کی اصطلاحات اور علمی زبان میں گفتگو کرتے تھے،جس سے مذہب وعقائد اہل سنت کا وقار اور وزن بڑھتا تھا۔(مصدر سابق:۱/۱۰۸)

ان (امام ابوالحسن اشعری) کا اصلی کارنامہ اس مسلک سنت اور عقیدۂ سلف کے ساتھ موافقت اور اس کی اجمالی تائید نہیں۔یہ تو محدثین اور عام حنابلہ کر ہی رہے تھے۔ان کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے کتاب وسنت کے ان حقائق اور اہل سنت کے ان عقائد کو عقلی دلائل سے ثابت کیا اور معتزلہ اور دوسرے فرقوں سے ان کے ایک ایک مسئلہ اور ایک ایک عقیدہ میں انھیں کی زبان اور اصطلاحات میں بحث کر کے عقائد اہل سنت کی صداقت اور ان کا منقول ومعقول کے مطابق ہونا واضح کیا۔دین کی (اس) اہم خدمت کی تکمیل اور وقت کے اس عظیم الشان فریضہ کے ادا کرنے میں وہ معتزلہ اور منحرف فرقوں کے معتوب بنے اور ایسا ہونا بالکل قدرتی تھا؛لیکن وہ ان متشدد محدثین اور جامد حنابلہ کے اعتراضات کا ہدف بھی بن گئے جن کے نزدیک ان مباحث میں حصہ لینا اور فلسفہ کی اصطلاحات کا استعمال کرنا اور نقلی مباحث ومسائل میں عقلی استدلال سے کام لینا ہی ایک زیغ وضلال کی بات تھی۔(مصدر سابق:۱/۱۱۰،۱۱۱) نیز دیکھیے:الملل والنحل للشہرستانی:۱/۳۱،مؤسسۃ الحلبی)۔

شیخ ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فان أحمد لم ينه عن نظر فی دليل عقلی صحيح يفضی الی مطلوب، بل فی كلامه فی أصول الدين فی الرد علی الجهمية وغيرهم من الاحتجاج بالأدلة العقليةعلی فساد قول المخالفين للسنة ماهو معروف فی كتبه وعند أصحابه. ولكن أحمد ذم من الكلام البدعی ماذمه سائرالأمة، وهو الكلام المخالف للكتاب والسنة والكلام فی اللّٰه ودينه بغيرعلم. (درء تعارض العقل والنقل: ۱۵۳/۷، ۱۵۴، جامعۃ محمد بن سعود، ط: ثالثہ، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے مطلوب تک پہنچانے والی صحیح دلیل عقلی میں غور کرنے سے نہیں روکا؛ بلکہ جہمیہ وغیرہ کے رد میں اصول دین پر ان کے کلام میں دلائل عقلیہ سے سنت کے مخالفین کے قول کا فساد ثابت کیا گیا ہے، جو کہ ان کی کتابوں اور ان کے تلامذہ کے ہاں معروف ہے؛ لیکن امام احمد رحمہ اللہ نے کلام بدعی کی مذمت کی ہے جس کی سب نے مذمت کی ہے۔ اور وہ کتاب وسنت کے مخالف کلام ہے اور اللہ تعالی اور اس کے دین میں بغیر علم کے کلام ہے۔ اور فرماتے ہیں: الأشعرية فيما يثبتونه من السنة فرع علی الحنبلية، كما ان متكلمة الحنبلية فيما يحتجون به من القياس العقلی فرع عليهم. وانما وقعت الفرقة بسبب فتنة القشيری. (مجموع الفتاوی: ۵۳/۶، مجمع الملک فہد، ط: ۱۴۲۵ھ) اشاعرہ سنت کو ثابت کرتے ہیں تو حنابلہ کی مدد سے، جیسے حنابلہ کے متکلمین قیاس عقلی سے دلیل لیتے ہیں تو اشاعرہ کی مدد سے۔ جدائی بس فتنہ قشیری کے سبب ہوئی۔ (ورنہ حنابلہ اور اشاعرہ دونوں ایک دوسرے کے مددگار ہیں)۔ اور فرماتے ہیں: ولهذا اصطلحت الحنبلية والأشعرية واتفق الناس كلهم..... وصار الفقهاء من الشافعية وغيرهم يقولون الحمد لله علی اتفاق كلمة المسلمين. (مصدر سابق: ۲۶۹/۳) اسی وجہ سے حنابلہ اور اشاعرۃ میں صلح ہوگئی اور سب لوگ اکٹھے ہوگئے۔ اور فقہائے شافعیہ وغیرہ کہنے لگے مسلمانوں کے اتفاق پر اللہ کا شکر ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ ہمارے زمانے میں اشاعرہ اور حنابلہ میں جو آتش جنگ دوبارہ بھڑکائی جارہی ہے یہ اسلام اور اہل اسلام کی کوئی خدمت نہیں!۔ (نیز دیکھیے: تبيين كذب المفتری فيما نسب الی الأشعری: ص ۱۶۳)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آج کل بعض لوگوں کو علم کلام جدید کی تدوین کا خبط ہورہا ہے۔ بس اس خیال سے اس کو جدید کہہ لو کہ تمھارے شبہات جدید ہیں، ورنہ علم کلام قدیم کے قواعد قیامت تک کے شبہات کا جواب دینے کے لیے کافی ہیں؛ چنانچہ میرا ایک رسالہ ہے ''الانتباہات المفيدة''۔ وہ تمام شبہات جدیدہ کے ازالہ کا کفیل ہے۔ ذرا کوئی اس کے اصول کو توڑ تو دے۔

ان شاء اللہ قیامت تک کوئی نہ توڑ سکے گا۔وہ رسالہ علم کلام قدیم ہی کے قواعد سے لے کر لکھا گیا ہے۔پس علم کلام جدید کا خیال محض خبط ہے۔متقدمین کے اصول سب شبہات کے دفع کے لیے کافی ہیں۔(خطبات حکیم الامت:۲۳/۱۱۹،۱۲۰،ادارہ تالیفات اشرفیہ،ملتان،ط:۱۴۲۸ھ)''الانتباہات المفیدۃ'' کا انگریزی میں بھی ترجمہ طبع ہو چکا ہے۔پروفیسر محمد حسن عسکری اور پروفیسر کرار حسین نے کیا ہے۔اس کا نام ہے: Answer to Modernism۔انٹرنیٹ آرکائیو سے فری ڈاؤن لوڈ کیا جاسکتا ہے۔

۶-فن دانش مندی: معقولات کے ساتھ ایک اور چیز کا تعلق ہے۔وہ ہے فن دانش مندی۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ) رحمہ اللہ نے اس پر''دانش مندی'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے۔اس میں فرماتے ہیں:اگر تم یہ پوچھو کہ دانش مندی سے میں کیا مراد لیتا ہوں؟ تو دانش مندی سے میری مراد کتاب دانی ہے۔اور اس کے تین درجے ہیں۔اس رسالے میں حضرت نے فن دانش مندی میں امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ تک اپنی سند کا بھی ذکر کیا ہے۔اور کل ۱۵/اصول ذکر کیے ہیں جن سے طالب علم کو کتاب صحیح طرح سمجھنے اور تحقیق کرنے کا ملکہ پیدا ہوتا ہے۔اور فرمایا ہے کہ علم کلام اور اصول (فقہ) بھی اس فن سے مخلوط ہیں۔اصل رسالہ فارسی میں ہے۔اس کا اردو ترجمہ ماہنامہ''فکر ونظر'' اسلام آباد میں شائع ہوا ہے۔اور انٹرنیٹ پر دستیاب ہے۔اصل رسالہ شاہ رفیع الدین دہلوی (متوفی ۱۲۳۳ھ) رحمہ اللہ کے رسالے''تکمیل الاذہان'' کے ساتھ،ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ سے مطبوع ہے۔(نیز دیکھیے:نظام تعلیم وتربیت:۱/۱۸۷،مولانا مناظر احسن گیلانی،مکتبہ رحمانیہ،لاہور،ط:اول)

۷-معقولات نہ پڑھنے کا نتیجہ: حضرت مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ اپنے سفرنامے میں فرماتے ہیں:اگلے دن مغرب کے بعد شیخ عبدالقادر جیلانی کے مدرسے میں شیخ عبدالکریم المدرس کی زیارت نصیب ہوئی۔انھوں نے عصری جامعات کے ڈگری زدہ طریقے کے بجائے قدیم طریقے پر ماہر اساتذہ وشیوخ سے علوم دینیہ کی تکمیل فرمائی ہے۔ماجستیر اور دکتوراہ کے اس دور میں ایسے علماء کی قدر وقیمت پہچاننے والے بہت کم ہیں؛لیکن سچ تو یہ ہے کہ علم دین کی جو خوشبو اور شریعت وسنت کی جو مہک ان بوریہ نشینوں کے پاس محسوس ہوتی ہے وہ عموماً یونیورسٹیوں کی عالیشان عمارتوں اور ان کے پرتکلف ماحول میں نظر نہیں آتی؛اس لیے جہاں جانا ہوتا ہے،ایسے علماء کی تلاش رہتی ہے۔

شیخ یہ سن کر بہت مسرور ہوئے کہ ناچیز کو انھیں پرانے طرز کے دینی مدارس اور ان کے علماء سے

خادمانہ نسبت ہے؛ چنانچہ ابتدائی سلام کلام کے بعد ان کا پہلا سؤال ہمارے مدارس کے نصاب ونظام سے متعلق تھا اور جب میں نے اپنی درسی کتب میں کافیہ، شرح جامی، شرح تہذیب، نورالانوار اور توضیح جیسی کتب کا نام لیا تو وہ تقریباً چیخ پڑے اور وصیت فرمائی کہ اس قسم کی ٹھوس استعداد پیدا کرنے والے نظام تعلیم کو آپ کبھی نہ چھوڑیے؛ کیوں کہ ہم اس نظام کو چھوڑنے کے نتائج بد اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ (جہانِ دیدہ: ص۲۲، ۲۳ ملخصا بلفظہ، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ط:۱۴۳۱ھ)، ان کتب میں شرح تہذیب تو خاص فن منطق میں ہے۔ نورالانوار اور توضیح اصول فقہ میں ہیں اور منطق اصول فقہ کے مبادی میں سے ہے۔ اور کافیہ اور شرح جامی بھی معقولی اسلوب اور منہج میں ہیں۔

برہان تمانع میں کسی خراسانی کا ایک رسالہ ہے۔ جس میں اس نے ملازمۃ عادیہ اور ملازمۃ عقلیہ میں فرق نہیں کیا اور اپنے سارے کلام کی بنیاد اسی پر رکھی ہے۔ خود بھی غلطی میں پڑا اور دوسروں کو بھی غلطی میں ڈالا۔ اور اس کا خیال یہ ہے کہ وہ سعد الدین (تفتازانی جیسے ماہرین فن) کو غلط قرار دینے میں حق بجانب ہے!! (کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون: ۱۱۴۵/۲، مکتبۃ المثنی، بغداد، ط:۱۹۴۱ء)

تاہم یہ بات واضح ہے کہ عقلی فنون کو غور سے سمجھ کر پڑھنے سے ہی مطلوبہ نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس کے لیے مستقل طور پر ذہنی ورزش کی ضرورت ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ شروح وحواشی کا گہری نظر سے لگاتار مطالعہ کر کے وہ انداز اپنے اندر جذب کیا جائے۔ امتحان کے قریب سرسری طور پر کچھ یاد کر کے امتحان میں نمبر لے لینا کافی نہیں۔ اور امتحان بھی ایسا ہونا چاہیے جس میں طلبہ کے حافظے اور کتابت کے بجائے صلاحیت اور استعداد کی جانچ ہو۔

* * *

# عذاب کب آتا ہے؟

از: محمد سلیم شاکر
مدراس

قرآن کریم میں عذاب الٰہی کی تین شکلیں ہیں: (۱) آسمان سے عذاب طوفانی بارش یا تیز وتند ہوا کے جھونکے یا بجلی کی کڑک یا خوفناک آواز اور چیخ کی شکل میں یا پتھروں کی بارش بن کر آتا ہے۔ (۲) زمین کے نیچے عذاب سے آبی طوفان، سیلاب یا زلزلہ بن کر برپا ہوتا ہے۔ اور (۳) اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والی قوم کو مختلف گروہوں میں بانٹ دیتا ہے اور وہ آپس ہی میں کٹ کر مرتے ہیں۔ سورہ الانعام کی آیت ۶۵ ملاحظہ فرمائیں: **قلْ هُوَ القَادِر عَلیٰٓ اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیکمْ عَذَابًامِّنْ فَوقِکمْ اَوْمِنْ تَحْتِ اَرْجلِکمْ اَوْیَلْبِسَکمْ شِیَعًا وَّیُذِیقَ بَعْضَکمْ بَاسَ بَعْضٍ انْظرْ کَیفَ نُصَرِّف الاٰیٰتِ لَعَلَّهمْ یَفْقَهونَ** (کہہ دو اللہ قادر ہے اس بات پر کہ تم پر تمہارے اوپر سے کوئی عذاب بھیج دے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے کوئی عذاب اٹھادے یا تم کو گروہ در گروہ کر کے آپس ہی میں گتھم گتھا کر دے اور ایک دوسرے کے تشدد کا مزا اچھی طرح چکھادے۔ دیکھو کس کس طرح ہم اپنی آیتیں مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں؛ تا کہ وہ سمجھیں)۔

اللہ تعالیٰ انسان کو نعمتوں سے نوازتا ہے تو وہ کبر وغرور میں مبتلا ہو جاتا ہے اور جب آزمائش میں ڈالتا ہے تو اس کا الزام اللہ تعالیٰ پر تھوپ دیتا ہے، جیسا کہ سورہ الشوریٰ کی آیات ۲۷ اور ۲۸ میں ارشاد ہوا ہے: **وَلَوبَسَطَ الله الرِّزْقَ بِعبَادِهٖ لَبَغَوا فِی الاَرْضِ وَلٰکنْ یُّنَزِّل بِقَدَرٍمَّایَشَآء اِنَّهٗ بِعبَادِهٖ خَبِیرٌ بصِیرٌ ☆ وَهوَالَّذِی یُنَزِّل الغَیثَ مِنْ بَعْدِ مَاقَنَطوا وَمَایُنْشرِرَحْمَتَهٗ وَهوَ الوَلِیّ الحَمِید** ☆ (اور اگر اللہ سب بندوں کو کھلا رزق دیدیتا تو وہ زمین میں سرکشی کا طوفان برپا کر دیتے؛ مگر وہ ایک حساب سے جتنا چاہتا ہے نازل کرتا ہے۔ یقیناً وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے اور وہ ان پر نگاہ رکھتا ہے۔ وہی ہے جو لوگوں کے مایوس ہو جانے کے بعد مینہ برساتا ہے اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے اور وہی قابل تعریف ہے)۔

سورہ الانعام کی آیت ۴۷ میں ارشاد الٰہی ہے: قلْ اَرَئَیتکمْ اِنْ اَتکمْ عَذَابُ اللّٰہِ بَغْتَۃً اَوْجَھْرَۃً ھَلْ یُھْلَك اِلَّاالقوم الظّٰلِمونَ (پوچھو، بتاؤ کہ اگر اللہ کا عذاب تم پر بے خبری میں اچانک آدھمکے یا ڈنکے کی چوٹ آئے تو ظالموں کے سوا کون ہلاک ہوگا؟)

سورہ الاعراف کی آیات ۴ اور ۵ میں عذاب الٰہی کے نازل ہونے میں ارشادی باری تعالی ہے: وَکَمْ مِّنْ قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰھَا فَجَآئَھَا بَاسُنَابَیَتًا اَوْھمْ قَآئِلونَ ☆ فَمَاکَانَ دَعْوٰھمْ اِذْ جَآئَھمْ بَاسُنَا اِلَّااَنْ قَالو آ اِنَّا کنَّاظٰلِمِینَ ☆ (اور کتنی ہی بستیاں ہوئی ہیں جن کو ہم نے ہلاک کردیا تو آیا ان پر عذاب رات میں اچانک یا دن دھاڑے جب دوپہر کے آرام میں تھے۔ تو جب ہمارا عذاب ان پر آیا اس کے سوا وہ کچھ نہ کہہ سکے کہ بلاشبہ ہم ہی ظالم تھے)

اللہ کا عذاب نازل ہونے کے لیے کئی وجوہات ہیں جن میں چند اہم وجوہات درج ذیل ہیں:

## ۱- جب اللہ تعالی کی نافرمانی ہوتی ہے

اگر ہم اسلامی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوجائے گا کہ جو قومیں اللہ تعالی کی نافرمانی کرتی تھیں، اللہ کے عذاب نے انھیں ہلاک کردیا۔

فرعون کی قوم پر عذاب آیا جس کا ذکر قرآن مجید میں یوں ہوا ہے: ہم نے فرعون کے لوگوں کو کئی سال قحط اور پیداوار کی کمی میں مبتلا رکھا۔ شاید ان کو ہوش آجائے۔ آخرکار ہم نے ان پر طوفان بھیجا، ٹڈی دل چھوڑے، سرسریاں پھیلائیں، مینڈک نکالے اور خون برسایا۔ یہ سب نشانیاں الگ الگ کرکے دکھلائیں؛ مگر وہ سرکشی کیے چلے گئے۔ جب کبھی ان پر بلا نازل ہوتی تو حضرت موسیٰؑ سے کہتے کہ ہمارے حق میں دعا کر۔ بلا ٹلوادے تو ہم تیری بات مان لیں گے اور بنی اسرائیل کو تیرے ساتھ جانے دیں گے۔ حضرت موسیٰؑ دعا کرتے اور عذاب ٹل جاتا۔ پھر جب عذاب ہٹالیا جاتا تو اپنے عہد سے پھر جاتے۔ تب اللہ نے انتقام لیا اور بالآخر انھیں سمندر میں غرق کردیا۔

اس واقعہ کا تذکرہ سورہ القمر کی آیات ۴۱ اور ۴۲ میں ہوا ہے: وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَونَ النّذر ☆ کَذّبوا بِاٰیٰتِنَا کلِّھَا فَاَخَذْنٰھمْ اَخْذَعَزِیزٍ مقْتَدِرٍ ☆ (اور آل فرعون کے پاس بھی تنبیہات آئیں۔ انھوں نے ہماری ساری ہی نشانیوں کو جھٹلا دیا۔ تو ہم نے ان کو ایک غالب اور قوت والے کے پکڑنے کی طرح پکڑا)

ابرہہ یمن کا خودمختار بادشاہ بن گیا تھا۔ یمن میں پوری طرح اقتدار قائم کرنے کے بعد وہ خانۂ کعبہ پر حملہ کرکے اسے منہدم کرنا چاہتا تھا ۵۷۰ھ یا ۵۷۱ھ میں ۶۰ ہزار فوج اور ۱۳ (بروایت بعض ۹) ہاتھی

لے کر مزاحمت کو روندتے ہوئے مکے سے تین کوس قریب پہنچا۔ دوسرے دن مکہ میں داخل ہونے کے لیے جب آگے بڑھا تو اس کا خاص ہاتھی محمود، جو آگے آگے تھا یکا یک بیٹھ گیا۔ اس کو بہت مارا پیٹا اور کچوکے دیے؛ مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ جب اس کا رخ دوسری طرف موڑنے لگا تو وہ تیزی سے بھاگنے لگا؛ مگر جیسے ہی کعبہ کی طرف موڑ دیا جاتا تو بیٹھ جاتا۔ اتنے میں پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ اپنی چونچوں اور پنجوں میں سنگریزے لیے ہوئے آئے اور لشکر پر برسائے۔ جس پر بھی یہ کنکری گرتی اس سے کھجلی لاحق ہوتی۔ کھجاتے ہی جلد پھٹتی اور گوشت جھڑنا شروع ہوجاتا۔ اس بھگدڑ میں لوگ جگہ جگہ گر کر مرتے۔ کچھ لوگ وہیں ہلاک ہوگئے اور کچھ لوگ وہاں سے بھاگ گئے۔ ابرہہ وہاں سے بھاگ گیا؛ مگر بلاد خشم میں پہنچ کر مرا۔ اس واقعہ کو سورہ الفیل میں بیان کیا گیا ہے۔

**۲- جب دنیا میں شرک اور بدعت زیادہ ہوجائے**

انسانی تاریخ میں پہلا عذاب حضرت نوحؑ کی قوم پر آیا تھا جس نے سب سے پہلے شرک کی ابتداء کی تھی۔ آپؑ کے زمانے میں توحید میں اس طرح انحراف آیا کہ قوم کے صالحین فوت ہوگئے تو ان کے عقیدت مندوں نے ان پر سجدہ گاہ (عبادت خانے) بنادئے۔ اور وہاں ان کی تصویریں بھی لٹکادیں۔ ذکر الٰہی میں ان کی مشابہت اختیار کرلی۔ جب کچھ اور وقت گزرا تو ان کے مجسمے بھی بنالیے اور باقاعدہ ان کی پوجا ہونے لگی۔ قوم نوحؑ کے یہ صالحین ود، سواع، یعوق، یغوث اور نسر معبود بن گئے۔ حضرت نوحؑ کے نوسو سال کی تبلیغ کے باوجود یہ قوم شرک سے باز نہیں آئی تھی اور نبی کو جھٹلایا۔ عذاب الٰہی آسمان سے بارش کی شکل میں اور زمین سے طوفان اور سیلاب کی شکل میں ٹوٹ پڑا۔ حضرت نوحؑ اور ان پر ایمان لانے والے جو کشتی میں سوار تھے بچالیے گئے اور باقی سارے مشرک اور کافر سیلاب میں غرق ہوگئے جن میں حضرت نوحؑ کا بیٹا بھی تھا جس نے اپنے باپ کے دین کو ٹھکرایا تھا۔

اس کے بعد قوم عاد پر عذاب آیا؛ قوم عاد کی بستی احقاف، حضرموت (یمن) کے قریب تھی۔ یہ قوم بت پرستی اور کفر میں مبتلا ہوگئی تھی۔ یہ اپنے وقت کی بڑی زور آور قوم تھی۔ یہ لوگ اونچی اونچی عمارتیں بنانے میں ماہر تھے۔ ان لوگوں نے اللہ کے نبی حضرت ہودؑ کا انکار کیا۔ ایک بہت بڑی طوفانی ہوا اور آندھی سے ہلاک کردیے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن اس طوفانی ہوا کو ان پر مسلط رکھا، جس کے زور سے وہ تباہ و برباد ہوگئے۔ سورہ القمر کی آیات ۱۸ تا ۲۱ میں اس کا بیان ہوا ہے: كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ☆ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمِ نَحْسٍ مُسْتَمِرٍّ ☆ تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُنْقَعِرٍ ☆ فَكَيْفَ

كَانَ عَذَابِی وَنذرِ ☆ (عاد نے بھی تکذیب کی تو دیکھو کس طرح واقع ہوا میرا عذاب اور میرا ڈراوا۔ ہم نے ان پر مسلط کردی باد تند ایک مسلسل نحوست کے وقت میں۔ جو لوگوں کو اکھاڑ پھینکتی گویا وہ اکھڑے ہوئے کھجوروں کے تنے ہوں۔ تو دیکھو، اور میرا ڈراوا کس طرح پیش آکے رہا)۔

### ۳-جب دین سے اور دین کی باتوں سے نفرت ہوجائے

ایمان سوز فتنوں میں سے ایک فتنہ الحاد ہے یعنی راہ راست سے ہٹ جانا، بے دینی اور مذہب بیزاری اختیار کرنا۔ حق سے منحرف ہوکر اس میں بے بنیاد باتیں داخل کرنا۔ یہ عیب صرف غیر مسلموں میں ہی نہیں؛ بلکہ ہم مسلمانوں کے اندر بھی پھیلی ہوئی ہیں۔ کچھ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن پاک ۱۴۰۰ سال سے زیادہ پرانا ہے۔ آج کے ٹیکنولوجی کی تیز رفتار ترقی کے حساب سے یہ کتاب پرانی ہوچکی ہے۔ اس میں حالاتِ حاضرہ کے مطابق تبدیلی کی سخت ضرورت ہے۔ اسی لحاظ سے شیعہ وقف بورڈ کے سابق صدر وسیم رضوی نے سپریم کورٹ میں مقدمہ دائر کیا کہ قرآن کی ۲۶ آیتیں دہشت پھیلا رہی ہیں ان کو منسوخ کیا جائے؛ مگر سپریم کورٹ نے اس کو رد کردیا۔ نبی اکرمؐ کی بعثت کے بعد سے آج تک کئی لوگ قرآن مجید کی ترمیم کی کوشش کرتے رہے؛ مگر ناکامی کے سوا انھیں کچھ ہاتھ نہ آیا۔

### ۴-اللہ تعالی کے نبیوں کا انکار کیا جائے

سورۃُ الاعراف کی آیات ۹۴ تا ۹۶ میں انبیاء کے انکار پر انذار کیا گیا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا فِی قَرْیَةٍ مِّنْ نَبِیٍّ اِلَّا اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعونَ ☆ ثمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّیِّئَةِ الحَسَنَةَ حَتّٰی عَفَوا وَّقَالوا قَدْ مَسَّ اٰبَآئَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهمْ لَایَشْعُرونَ ☆ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ القرٰی اٰمَنوا وَاتَّقَوا لَفَتَحْنَا عَلَیهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبوا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانوا یَكْسِبونَ ☆ (اور ہم نے جس بستی میں کوئی رسول بھیجا، اس کے باشندوں کو مالی اور جسمانی مصائب سے آزمایا کہ وہ رجوع کریں۔ پھر ہم نے دکھ کو سکھ سے بدل دیا؛ یہاں تک کہ وہ پھلے پھولے اور کہنے لگے کہ دکھ اور سکھ تو ہمارے باپ دادوں کو بھی پہنچے ہیں۔ پھر ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور وہ اس کا گمان نہیں رکھتے۔ اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان وزمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے؛ لیکن انھوں نے جھٹلایا تو ہم نے ان کے کرتوتوں کی پاداش میں ان کو پکڑ لیا)۔

سورۃُ الاعراف کی آیات ۴ اور ۵ میں اللہ تعالی کا فرمان ہے: وَكَمْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَیَاتًا اَوْهمْ قَآئِلونَ ☆ فَمَاكَانَ دَعْوٰهمْ اِذْجَآءَ همْ بَاْسنَا اِلَّآ اَنْ قَالوآ اِنَّاكنَّا

ظٰلِمِینَ ☆ (اور کتنی ہی بستیاں ہوئی ہیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا تو آیا ان پر ہمارا عذاب رات میں اچانک یا دن دھاڑے جب وہ دوپہر کے آرام میں تھے۔ تو جب ہمارا عذاب ان پر آیا اس کے سوا وہ کچھ نہ کہہ سکے کہ بلاشبہ ہم ہی ظالم تھے)۔

عاد کے بعد قوم ثمود عذاب کا شکار ہوئی۔ ثمود کی بستی حجر تھی جسے آج کل ''مدائن صالح'' کہتے ہیں جو حجاز کے شمال میں واقع ہے۔ حضرت صالحؑ نے توحید کی دعوت دی اور ان کو شرک کرنے سے روکا۔ انھوں نے اللہ کی نشانی کا مطالبہ کیا۔ اللہ نے معجزانہ طور پر ایک اونٹنی چٹان سے نکالی جس میں ان کی آزمائش تھی؛ مگر ان لوگوں نے تکبر اور سرکشی میں اونٹنی کو ہلاک کر دیا۔ حضرت صالحؑ نے انھیں تین دن مزے کرنے کی اجازت دیدی۔ اس کے بعد ایک سخت اور زوردار آواز اور خطرناک چیخ فضا میں گونج اٹھی۔ جس نے آن کی آن میں پوری قوم کو ہلاک کر دیا؛ جیسا کہ سورہ فصلت کی آیات ۱۷ اور ۱۸ میں بیان ہوا ہے: وَاَمَّا ثَمودُ فَهَدَينٰهُمْ فَاسْتَحَبّوا الْعَمٰى عَلَى الهدٰى فَاَخَذَتْهُم صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهونِ بِمَا كَانوا يَكْسِبونَ ☆ وَنَجَّينَا الَّذِينَ اٰمَنوا وَكَانوا يَتَّقونَ☆ (رہے ثمود تو ہم نے ان کو ہدایت کی راہ دکھائی؛ لیکن انھوں نے ہدایت پر اندھے پن کو ترجیح دی تو ان کو بھی عذاب ذلت کے کڑکے نے آدبوچا ان کے اعمال کی پاداش میں۔ اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان لانے اور ڈرنے والے تھے)۔ سورۃ الاعراف کی آیات ۷۷ اور ۷۸ اور سورۃ القمر کی آیات ۲۳ تا ۳۱ میں بھی حضرت صالحؑ کی اونٹنی کے قتل کے بارے میں بیان ہوا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ جب فلسطین جا کر بس گئے تو حکم ہوا کہ بابل کے بادشاہ نمرود بن کنعان بن کوش بن سام بن نوح کو اللہ کا پیغام پہنچائیں جو تقریباً چار سو سال بادشاہ رہا۔ وہ ساری دنیا پر حکومت کرتا تھا؛ لیکن اس مردود نے صاف انکار کر دیا اور آپؑ سے جھگڑنے لگا۔ اس نے جہالت اور گمراہی کی وجہ سے خالق کا انکار کر دیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس کو سمجھانے کی کوشش کی؛ مگر وہ اڑا رہا اور بے دلیل باتیں کرنے لگا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس سے کہا کہ میرا رب سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو مغرب سے نکال کر بتا۔ اس پر وہ لاجواب ہوگیا۔ زید بن اسلمؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے اس ظالم بادشاہ کے پاس ایک فرشتہ بھیجا جس نے اسے اللہ پر ایمان لانے کو کہا۔ اس نے صاف انکار کر دیا۔ دوبارہ کہنے پر بھی وہ نہ مانا۔ جب تیسری بار ایمان کی دعوت دی تو اس نے کہا کہ تو اپنے لشکر جمع کرلے اور میں اپنے لشکر لے آتا ہوں۔ طلوع آفتاب کے وقت نمرود نے اپنی تمام فوجیں جمع کرلیں۔ اللہ تعالی نے اتنے مچھر (بروایت دیگر ساٹھ لاکھ مچھر) بھیج دیے کہ سورج ان کی اوٹ میں

چھپ گیا۔اللہ تعالی نے لشکر والوں پر مچھر مسلط کر دیے۔انھوں نے ان کا گوشت اس طرح کھالیا کہ صرف ہڈیاں باقی رہ گئیں۔ایک مچھر لنگڑا لولا تھا اور اس کے ہر عضو میں نقص تھا۔وہ مچھروں کا سردار تھا۔نمرود اکیلا گھر کی طرف بھاگا اور اپنی لشکر گاہ سے بالا خانہ میں بیٹھا کر تشویش میں مبتلا تھا۔ تب وہ سردار لنگڑا لولا مچھر اس کی ناک میں گھسا اور دماغ میں جا کر مغز کھانے لگا۔اللہ نے اس کے ذریعے سے اسے چار سو سال عذاب میں مبتلا رکھا۔اس کے سر پر ہتھوڑے مارے جاتے تھے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم سے ہلاک ہو گیا۔

## ۵-جب دنیا میں شراب، زنا اور برائیاں عام ہو جائیں

ثمود کی قوم کے بعد حضرت لوطؑ کی قوم پر عذاب آیا۔حضرت لوطؑ حضرت ابراہیمؑ کے چچازاد بھائی تھے۔ان کا علاقہ اردن اور بیت المقدس کے درمیان تھا جسے سدوم کہا جاتا ہے۔حضرت لوطؑ کی قوم دنیا کی سب سے بدترین اور ذلیل ترین قوم تھی۔جس نے پہلی بار فطرت انسانی کے خلاف جنسی تسکین کے لیے مردوں سے مباشرت کے گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا۔جب قوم نے حضرت لوطؑ کی نصیحت کو ماننے سے انکار کر دیا تو اللہ نے ان کی آزمائش کے لیے فرشتوں کو خوبصورت نوجوانوں کی شکل میں حضرت لوطؑ کے مکان پر بھیجا۔بستی کے لوگ ان کے مکان پر ٹوٹ پڑے۔حضرت لوطؑ گھبرا گئے کہ ان خوبصورت نوجوان مہمانوں کو کیسے بچایا جائے؟ مہمانوں نے تسلی دی کہ ہم اللہ کے فرشتے ہیں اور اس کی طرف سے عذاب لائے ہیں۔فرشتوں کے کہنے پر آپ رات کے پچھلے پہر اپنے گھر والوں کے ساتھ بستی سے نکل گئے۔جب حضرت لوطؑ گھر سے نکل گئے تو پو پھٹتے ہی یکا یک زوردار دھماکہ ہوا۔ایک ہولناک زلزلہ نے ان کی بستیوں کو تلپٹ کر کے رکھ دیا۔ایک طوفانی ہوا سے ان پر پتھراؤ کیا گیا اور ساری قوم نیست و نابود ہو کر رہ گئی۔جیسا کہ سورۃ القمر کی آیات ۳۳ اور ۳۴ میں اس واقعہ کا ذکر ہوا ہے: كَذَّبَت قَومُ لوطٍ بالنّذرِ ☆ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ آلَ لوطٍ نَجَّينٰهم بِسَحَرٍ ☆ (قوم لوط نے بھی تنبیہات کو جھٹلایا۔تو ہم نے ان پر سنگریزے برسانے والی ہوا مسلط کر دی۔صرف آل لوط اس سے بچے، ہم نے ان کو نجات دی سحر کے وقت)۔

## ۶-جب زندگی میں ناشکری پیدا ہو جائے

اللہ تعالی کی ناشکری کرنے والوں کے بارے میں اللہ تعالی سورۃ القصص کی آیت ۵۸ میں ارشاد فرماتا ہے: وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا فَتِلْكَ مَسٰكِنُهمْ لَمْ تسْكَنْ مِّنْ بَعدِهِمْ اِلَّا قَلِيلًا وَكنَّا نَحْن الوَارِثِينَ (اور کتنی قومیں اپنے سامان معیشت کی ناشکری کرنے والی

ہوئی ہیں جن کو ہم نے ہلاک کر چھوڑا۔ پس یہ ہیں ان کی بستیاں جو ان کے بعد آباد نہیں ہوئیں؛ مگر بہت کم۔ اور ہم ہی ان کے وارث ہو کر رہے)۔

بنی اسرائیل پر بھی عذاب الٰہی مسلط ہوا؛ مگر ان پر وہ عذاب نہیں آیا جو بقایا قوموں پر عذاب استیصال (extermination) آیا تھا۔ بنی اسرائیل کو جڑ سے نہیں کاٹا گیا مگر ان پر عذاب تاریخ کے مختلف ادوار میں بار بار آتا رہا۔ بنی اسرائیل کو اللہ تعالی نے دنیا کی تمام قوموں پر فضیلت بخشی جیسے سورۃُ البقرۃ کی آیت ۴۷ میں ارشاد ہوا ہے: يٰبَنِي اِسْرَآئِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِيٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِينَ (اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کی اور اس بات کو کہ میں نے تمہیں دنیا والوں پر فضیلت دی)۔

اللہ تعالی نے بنی اسرائیل کو دنیا کی امامت کے لیے چن لیا تھا؛ مگر اس قوم نے بار بار اللہ کی نعمتوں کا جواب کفرانِ نعمت، ناشکری اور شقاوت سے دیا۔ ان کے ہاں جتنے انبیاء اور رُسل آئے دوسری کسی قوم میں نہیں آئے۔ نبوت کا تار کبھی ٹوٹا ہی نہیں۔ کبھی کبھی ایک ساتھ دو دو رسول بھی آئے جس سے ان میں یہ زعم پیدا ہو گیا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور چہیتے ہیں۔ ہمیں جہنم کی آگ چھو نہیں سکتی۔ اور اگر ہم بالفرض جہنم میں بھی ڈالے گئے تو محض چند روز کے لیے اور وہ بھی لوگوں کو دکھانے کے لیے۔ ان کا یہ کہنا کسی حد تک درست تھا۔

سورۃُ البقرۃ کی آیت ۶۱ میں یہودیوں کی ناشکری اور نبیوں کے انکار کا ذکر کیا ہے: وَضُرِبَتْ عَلَيهِمِ الذِّلَّةُ وَالمَسْكَنَةُ وَبَآؤا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانوا يَكْفُرونَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلونَ النَّبِيِّينَ بِغَيرِالحَقِّ ذٰلِكَ بِمَاعَصَوا وَّكَانوا يَعْتَدُونَ (اوران پر ذلت اور پستی تھوپ دی گئی اور وہ خدا کا غضب لے کر لوٹے۔ یہ اس سبب سے کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کا ناحق قتل کرتے تھے۔ یہ اس وجہ سے کہ انھوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے بڑھ جانے والے تھے)۔

یہودیوں پر دو قسم کے غضب آتے رہے۔ پہلا یہ کہ ان پر کمزوری اور پست ہمتی تھوپ دی گئی اور دوسرا یہ کہ وہ اللہ کے غضب کا شکار ہوتے رہے۔ اللہ کا غضب اس شکل میں آیا کہ ان کو بار بار ظالم بادشاہوں اور قوموں کے ذریعے روندا گیا۔ مسلسل ان کا قتل عام ہوتا رہا۔ اس کی ایک طویل تاریخ رہی۔ قوم یہود کو باقی رکھنے کے دو اسباب ہیں: اول یہ کہ امت مسلمہ ان کی تاریخ سے سبق لے اور ان کے نقش قدم پر نہ چلے۔ دوسرا یہ کہ انھوں نے اپنی دانست میں حضرت عیسیٰؑ کو سولی پر چڑھا دیا؛ جب کہ اللہ نے ان کو آسمان پر اٹھا لیا۔

سورۃُ القصص کی آیات ۷۶ تا ۸۲ میں قارون کا ذکر آیا ہے جو موسیٰؑ کی قوم کا ایک شخص تھا۔ پھر وہ اپنی قوم کے خلاف سرکش ہوگیا۔ اللہ تعالی نے اس کو اتنے خزانوں سے نوازا تھا کہ اس کی کنجیاں طاقت ور آدمیوں کی ایک جماعت مشکل سے اٹھا سکتی تھی۔ ایک دفعہ جب اس کی قوم کے لوگوں نے اس سے کہا کہ پھول نہ جا۔ اللہ تعالی پھولنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ جو مال اللہ نے تجھے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کر اور دنیا میں سے بھی اپنا حصہ فراموش نہ کر اور زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش نہ کر۔ اللہ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا۔ تو اس نے کہا کہ یہ سب کچھ تو مجھے اس علم کی بناء پر دیا گیا ہے جو مجھ کو حاصل ہے۔ ایک روز وہ اپنی قوم کے سامنے پوری ٹھاٹھ میں نکلا۔ جو لوگ حیاتِ دنیا کے طالب تھے وہ اسے دیکھ کر کہنے لگے کہ کاش! ہمیں بھی وہی کچھ ملتا جو قارون کو ملا ہے۔ یہ تو بڑا نصیبے والا ہے؛ مگر جو لوگ علم رکھتے تھے اس پر افسوس ظاہر کر رہے تھے۔ آخر کار اللہ نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا۔ پھر اس کے حامیوں کا کوئی گروہ نہ تھا جو اس کی مدد کو آتا۔ اب وہی لوگ جو اس کی منزلت کی تمنا کر رہے تھے افسوس کرنے لگ گئے۔

## ۷- جب دنیا میں برائیاں پھیل رہی ہوں اور کوئی ان کو نہ روکے

سورہ آل عمران کی آیت ۱۱۰ میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْراً لَّهُم مِّنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ (تم بہترین امت ہو لوگوں کی رہنمائی کے لیے مبعوث کیے گئے ہو۔ معروف کا حکم دیتے ہو منکر سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لاتے تو ان کے لیے یہ بہتر ہوتا۔ ان میں سے کچھ تو مؤمن ہیں اور اکثر نافرمان ہیں)۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی نے حضرت جبرئیلؑ کو وحی کی کہ فلاں شہر کو اس کے باشندوں کے ساتھ الٹ دو۔ اس پر حضرت جبرئیلؑ نے عرض کیا: یا اللہ! اس شہر میں فلاں باشندہ بھی ہے جس نے ایک لمحہ کے لیے بھی معصیت نہیں کی۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے حضرت جبرئیلؑ کو حکم دیا کہ اس شہر کو بشمول اس شخص کے سارے لوگوں کو الٹ دو؛ کیونکہ شہر میں نافرمانیاں ہوتی رہتی ہیں؛ لیکن میری خاطر ایک گھڑی کے لیے بھی اس کے چہرے کا رنگ متغیر نہیں ہوا۔

اصحاب سبت کا واقعہ بہت مشہور ہے کہ اللہ تعالی نے بنی اسرائیل کے لیے ہفتہ (سنیچر) کا دن مقدس قرار دیا۔ ان کو حکم تھا کہ اس دن کو اللہ کی عبادت کے لیے مخصوص کرلیں اور کوئی دنیوی کام نہ

کریں؛ لیکن ان کی آبادی نے جو سمندر کے کنارے مقیم تھی اس حکم کی خلاف ورزی کرنے لگے اور ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار کرنے لگے۔ قرآن کہتا ہے کہ ان کے اس غلط رویئے پر آبادی کے ایک طبقے نے نصیحت کی اور انھیں باز رہنے کی تاکید کی۔ تیسرے طبقے نے ان مصلحین سے کہا کہ تم کیوں ان کو نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ تعالی ہلاک کرنے والا ہے یا ان کو سخت عذاب دینے والا ہے۔ مصلحین نے جواب دیا کہ یہ اس لیے کر رہے ہیں کہ تمہارے رب کے حضور معذرت پیش کرسکیں اور شاید یہ لوگ باز آجائیں۔ جب اللہ تعالی کا عذاب نازل ہوا تو دونوں گروہوں کو بندر کی شکل کا بنا دیا اور ہلاک کر دیا۔ صرف مصلحین باقی رہ گئے جو انھیں اس برائی سے روکتے تھے۔

ان دونوں واقعوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی برائی کو روکنا فرض کفایہ ہے۔ یعنی اگر کچھ لوگ برائی کو روک دیتے ہیں تو سب کے کندھوں سے یہ فرض ادا ہوجاتا ہے۔ اور اگر کسی نے بھی برائی کو روکنے کی کوشش نہیں کی تو اللہ تعالی کا عذاب ان سب پر نازل ہوتا ہے۔ اور جب عذاب نازل ہوتا ہے تو برائی کرنے والے اور برائی کو دیکھ کر خاموش رہنے والے سب عذاب کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔

**۸- معاملات اور تجارت میں کمی بیشی کی جائے**

ناپ تول میں کمی بیشی کرنا اور لین دین میں انصاف سے منحرف ہونا گناہ کبیرہ میں شامل ہے۔ سورۃ المطففین میں ایسے لوگوں پر لعنت برسائی گئی ہے۔ حضرت شعیبؑ کی قوم مدین اور اصحاب الایکہ بھی اسی عذاب الٰہی کا شکار ہوئی۔ حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم سے کہا: اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ پیمانے ٹھیک بھرو اور کسی کو گھاٹا نہ دو۔ زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو۔ ان کی قوم کے منکر سرداروں نے کہا: اے شعیب! کیا ہم اپنے باپ داداؤں کے معبودوں کو چھوڑ دیں؟ ہم ناپ تول میں اپنے مالوں میں جو کچھ کر رہے ہیں کیا وہ بھی چھوڑ دیں؟ ہم آپکے اور آپ کے ہمراہ ایمان والے لوگوں کو بستی سے نکال دیں گے۔ ورنہ یہ کہ تم ہمارے مذہب میں آجاؤ اور کہا اگر تیرے قبیلے کا خیال نہ ہوتا تو ہم تجھے سنگسار کر دیتے۔ پھر حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم پر ان کے کافرانہ عمل کی وجہ سے خداوند قدوس سے عذاب الٰہی کا مطالبہ کیا۔ اور قوم مدین پر عذاب آیا۔ پہلے بادل نے ان پر سایہ کیا جس میں شعلے چنگاریاں اور آگ کے پھپھولے تھے، پھر آسمان سے سخت چیخ آئی اور زمین میں بھونچال، جس سے ان کی روحیں پرواز کر گئیں اور بے جان لاشیں ہوکر پرندوں کی طرح گھٹنوں میں منہ دے کر اوندھے کے اوندھے پڑ گئے۔ اس کا ذکر سورۃ الاعراف کی آیت ۹۱ میں ہوا ہے: فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ (پھر ایک زلزلہ آ پکڑا اور وہ اپنے گھر میں اوندھے کے اوندھے پڑ گئے)۔

## ۹-اگر مال زکوٰۃ نہ ادا کرے

زکوٰۃ اسلام کا چوتھا رکن ہے اور ہر صاحب نصاب مسلمان پر فرض ہے۔قرآن کریم کی آیات اور نبیؐ کے ارشادات سے اس کی فرضیت ثابت ہے۔زکوٰۃ کی فرضیت ابتداء اسلام ہی میں مکہ مکرمہ کے اندر نازل ہوچکی تھی۔نصاب کا تعین اور زکوٰۃ کی مقدار کا بیان نبیؐ کی ہجرت مدینہ کے بعد ہوا۔ زکوٰۃ ایک عبادت ہے اور اللہ کا حکم ہے۔زکوٰۃ کا اصل مقصد اللہ کی اطاعت ہے۔زکوٰۃ کی ادائیگی باقی مال میں برکت، اضافہ اور پاکیزگی کا سبب بنتی ہے۔

عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں؛ یہاں تک کہ وہ شہادت دیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی سچا معبود نہیں ہے، اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔سو جب وہ یہ کام کرلیں تو انھوں نے اپنے خون اور مال مجھ سے محفوظ کرلیے؛ مگر اسلام کے حق کے ساتھ اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔

کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ زکوٰۃ دینے سے ان کا مال گھٹ جائے گا اور کاروبار میں نقصان ہوگا؛ لیکن ان کا یہ خیال غلط ہے۔زکوٰۃ دینے سے مال بھی پاک ہوتا ہے اور مال میں اضافہ ہوتا ہے؛ لیکن اگر زکوٰۃ ادا نہ کی جائے تو اس کے بھیانک نقصانات اٹھانے ہوتے ہیں۔آخرت میں اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اس کے مال کو گنجا زہریلا سانپ بنادیا جائے گا جو اس کو قبر میں ڈستا رہے گا اور کہے گا کہ میں تمہارا مال ہوں اور تمہارا خزانہ ہوں جو تم نے دنیا میں جمع کررکھا تھا اور پھر روز محشر بھی اس فرض کے ترک کا حساب دینا ہوگا۔دنیوی اعتبار سے بھی زکوٰۃ نہ دینے کے بہت سے نقصانات ہیں جن میں سے اہم نقصان یہ ہے کہ اس کا پورا مال گندہ ہوجاتا ہے اور اس کے سبب پورا مال ہلاک اور برباد ہوجاتا ہے۔اس آدمی کا مال بیماریوں کے علاج میں اور دوائیوں میں اور مال کے نقصانات میں برباد ہوتا رہتا ہے۔اس سے برکت اٹھالی جاتی ہے؛ چنانچہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسولؐ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ زکوٰۃ کبھی کسی مال کے ساتھ نہیں ملتا؛ مگر اس کو ہلاک کردیتا ہے (مشکوٰۃ ۱۷۹۳)۔

زکوٰۃ کی عدم ادائیگی کو اسلام نے سخت ناپسند کیا ہے اور زکوٰۃ نہ دینے والوں کو سخت تنبیہ کے ساتھ عذاب الٰہی سے ڈرایا ہے۔سورۃ التوبۃ کی آیات ۳۴ اور ۳۵ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ☆ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ ☆ (جولوگ سونا چاندی ڈھیر کررہے ہیں اور اسے اللہ کی

راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو ایک دردناک عذاب کی خوشخبری دیدو۔اس دن جس دن دوزخ میں اس پر آگ دہکائی جائے گی۔پھر اس سے ان کی پیشانیاں ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی۔یہ ہے وہ جو تم نے اپنے لیے ذخیرہ کیا۔تو مزا چکھو جو تم جمع کرتے رہے ہو)۔

حاکم بیہقی کی روایت میں ہے کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: جو قوم زکوٰۃ روک لیتی ہے اللہ ان سے بارش روک لیتا ہے اور وہ قوم قحط میں مبتلا ہوتی ہے۔اسی طرح فرمایا: جو مال کسی جنگل یا دریا میں کہیں بھی ضائع ہوتا ہے وہ دراصل زکوٰۃ روکنے سے ضائع ہوتا ہے۔

نبیؐ کے وصال کے بعد کئی فتنے کھڑے ہوئے جن میں سے ایک فتنہ یہ تھا کہ لوگ زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے لگے۔خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ارشاد فرمایا: واللہ! جس نے نماز اور زکوٰۃ میں فرق کیا میں اس سے ضرور قتال کروں گا چاہے کسی کے ذمہ ایک رسی کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔آپ نے بزور حکم زکوٰۃ کا نظام دوبارہ قائم کیا۔

## ۱۰-رشتہ داری کو قطع کیا جائے

اسلام نے ہم کو احسان پر ابھارا ہے۔بلند اخلاق میں سے یہ جانا جاتا ہے کہ انسان اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرے۔جہاں اللہ نے اس سے ڈرنے کی بات کی ہے وہیں اللہ تعالی نے صلہ رحمی کی بات بھی کی ہے جیسے سورۃُ النساء کی پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے: **يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُواْ رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُواْ اللّهَ الَّذِي تَسَاءلُونَ بِهِ وَالأَرْحَامَ إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيباً.** (اے لوگو! اپنے اس رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اسی کی جنس سے اس کو جوڑا پیدا کیا اران دونوں سے بہت سارے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔اور ڈرو اس اللہ سے جس کے واسطے سے تم باہم دیگر طالب مدد ہوتے ہو اور ڈرو قطع رحمی سے۔بے شک اللہ تمہاری نگرانی کر رہا ہے)۔

حضرت ابوہریرہؓ کی رویت ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا اللہ تعالی نے جب مخلوق کو پیدا کیا تو رحم کھڑا ہو گیا۔عرض کیا کہ یہ ہے قطع رحم سے تیری پناہ چاہنے والے کی جگہ،حکم کیا کہ کیا تو اس سے راضی نہیں ہے جو تجھے ملائے گا میں اسے ملاؤں گا۔جو تجھے توڑے گا میں اسے توڑوں گا۔رحم نے کہا میرے پروردگار! ہاں میں راضی ہوں۔یہ سب تیرے لیے ہے۔پھر ابوہریرہؓ نے کہا اگر چاہو تو یہ آیت پڑھو: **فَهَلْ عَصَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوا فِي الاَرْضِ وتَقْطَعُوْا اَرْحَامَكمْ** (کیا اگر تم بااختیار ہو جاؤ تو زمین میں فساد کرنے اور اپنی رشتہ داریوں کو کاٹنے چلو)۔

مندرجہ بالا برائیوں میں سے کچھ نہ کچھ برائی ہر آدمی کے ساتھ لگی رہتی ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ ان میں سے کوئی بھی برائی کسی انسان میں نہ ہو۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان برائیوں سے کیسے نجات حاصل کریں؟ اللہ رب ذوالجلال کے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے ہیں۔ اپنے اعمال کا احتساب کرتے رہیں اور اپنے گناہوں کے مغفرت کے لیے اللہ کے دربار میں توبہ واستغفار کریں۔ صرف یہی ایک نجات کا ذریعہ ہے۔ اللہ جاننے والا، سننے والا اور معاف کرنے والا ہے۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا جب میری امت سے استغفار کرنا کم ہوجائے گا تو ان پر بارش کا نزول کم ہوگا۔ اللہ تبارک تعالی نے خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے امت محمدیہ سے اجتماعی عذاب اٹھالیا ہے۔ یعنی اب اس امت پر کوئی ایسا عذاب نہیں آئے گا جس سے پوری امت ہلاک و برباد ہوجائے؛ لیکن اہل ایمان کے امتحان اور آزمائش کے لیے فتنے برابر پیدا ہوتے رہیں گے؛ چنانچہ نبی کریمؐ کا ارشاد ہے کہ ہر چیز میں کمی ہوگی؛ لیکن شر وفتن میں برابر اضافہ ہوتا رہے گا۔ (مسند احمد)۔

فتنہ عربی زبان کا لفظ ہے، جو متعدد معانی کے لیے قرآن میں بھی استعمال ہوا ہے؛ لیکن معروف معنی دنگا اور فساد ہے۔ نبیؐ کی پیشین گوئی کے مطابق امت محمدیہ مسلسل فتنوں کا شکار رہے گی۔ آج پورے عالم پر نظر دوڑائیں گے تو معلوم ہوگا کہ ہر جگہ مسلمان کسی نہ کسی فتنہ میں گھرے ہوئے ہیں۔ کہیں پر دینی فتنے ہیں، تو کہیں پر قومی فتنے، کہیں پر تہذیب وتمدن کے فتنے، کہیں آسائش اور آرائش کے فتنے، کہیں سرمایہ داری کے فتنے، کہیں اخلاقی و سیاسی فتنے وغیرہم۔ کبھی بیویوں کی تعداد، کبھی طلاق ثلاثہ، کبھی تعداد اولاد وغیرہ جیسے مسائل پر مسلمانوں کو زدوکوب کیا جارہا ہے، مسلمانوں کی موب لیچنگ ہوتی رہتی ہے، مسلمان لڑکیوں کی عزت پر حملہ کیا جارہا ہے، مسلمان لڑکوں کو مارا اور پیٹا جارہا ہے، مسجدیں شہید کی جارہی ہیں، مسلمانوں کے گھر جلائے جارہے ہیں، مسلمانوں کو غلط الزامات میں قید کیا جارہا ہے وغیرہ وغیرہ۔

میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ ہم پر رحم فرمائے، فتنہ مچانے والوں کو ان کے فتنہ سے روکے اور ہمارا خاتمہ ایمان پر ہو۔ آمین یارب العالمین۔

❊ ❊ ❊

# غیبت ایک لذیذ گناہ

از: مولانا عبدالمتین
مدیر مدرسہ دارارقم لیاری کراچی

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ (الحجرات:۱۲)

اورتم میں سے ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے! کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے سواس کو تو تم ناپسند کروگے اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم والا ہے۔

## غیبت کی تعریف

نبی ﷺ نے فرمایا کہ اگر تمہارا بھائی تمہارے سامنے موجود نہیں اور تم اس کا ذکر اس طرح کرو کہ اگر وہ موجود ہوتا تو اسے برا لگتا تو سمجھو یہ غیبت ہے۔

## غیبت اور عزت وآبرو کی دھجیاں اڑانا

دین اسلام کے مقاصد میں شامل ہے کہ مال، عزت آبرو اور جان کو ہر حال میں تحفظ ملے۔ غیبت ایک ایسا گناہ ہے جس کا تعلق براہ راست انسان کی عزت وآبرو کے ساتھ ہے۔ گویا جو شخص غیبت کا شکار ہوجائے وہ اپنے بھائی کی عزت وآبرو کے ساتھ کھیل رہا ہے جو کسی صورت جائز نہیں؛ بلکہ بہت بڑا جرم ہے۔

## غیبت اور آدم خوری

سورۂ حجرات کی مذکورہ آیت میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ وہ آدم خوری کرے یعنی انسانی گوشت کھائے اور گوشت بھی کسی زندہ انسان کا نہیں؛ بلکہ مردے کا اور وہ مردہ بھی کوئی غیر نہیں، بلکہ تمہارا اپنا بھائی۔ مزید فرمایا کہ جب تم اس قدر گری حرکت

نہیں کر سکتے اور ایسا سوچ بھی نہیں سکتے تو غیبت بھی اتنا ہی بڑا جرم ہے، لہٰذا اس سے بھی بچو اور اللہ سے اور اللہ کے بندوں سے معافی مانگو اللہ بے شک معاف کرنے والا ہے۔

## غیبت ایک عظیم گناہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج کے سفر میں کچھ ایسے لوگوں کو دیکھتے ہیں جن کے ناخن لوہے کے ہیں اور وہ اپنے چہرے اور سینوں کو زخمی کر رہے ہیں، پوچھنے پر پتہ چلتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو غیبت کر کے اپنے بھائیوں کی عزتوں پر حملہ آور ہوتے تھے۔

## غیبت گناہ کبیرہ

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ غیبت گناہ کبیرہ میں شامل ہے ایسے ہی جیسے چوری، شراب، بدکاری وغیرہ۔

بہت سے گناہ ایسے ہیں جن کا تعلق اللہ سے ہے جنہیں ہم حقوق اللہ کے نام سے جانتے ہیں جنہیں اللہ توبہ کے بعد معاف فرما دیتے ہیں؛ لیکن کچھ گناہ ایسے ہیں جو حقوق العباد کہلاتے ہیں، جن کی معافی جب تک اس بندے سے نہ ملے معاف نہیں ہوتے۔

## غیبت مجلس کا لذیذ ترین گناہ

ہماری مجالس میں اکثر غیبت ہوتی رہتی ہے اور یہ بظاہر اس قدر شیریں لذیذ اور میٹھا گناہ ہے کہ ایک مرتبہ تذکرہ چل پڑے تو روکنے کو دل نہیں چاہتا۔

غیبت جس طرح کرنا حرام ہے ویسے ہی غیبت سننا بھی حرام ہے اور غیبت والی مجلس میں جان بوجھ کر بیٹھے رہنا بھی حرام ہے۔

ایسی مجلس میں اگر کوئی بیٹھا ہو تو پہلے کوشش کرے کہ غیبت کرنے والے کو منع کرے، روکنے کی کوشش کرے، اس میں دل شکنی کا خوف نہ رکھے؛ بلکہ دین شکنی کی فکر کرے۔ اگر سامنے والا بات نہیں مان رہا تو کوشش کرے کہ موضوع بدل دے، اگر یہ بھی نہ ہو تو سکے تو آخری حل یہ ہے کہ اس مجلس سے ہی اٹھ کر چلا جائے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ میں تو سامنے بھی کہتا ہوں تو واضح کیا جائے کہ وہ آپ کا مسئلہ ہے؛ لیکن اس وقت آپ پیٹھ پیچھے ہی بات کر رہے ہیں جو کہ غیبت ہے۔

## غیبت اور آپسی تعلقات

غیبت کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ یہ دلوں سے محبت، احترام اور تعلق کو دیمک کی طرح

کھوکھلا کر دیتا ہے، جس گھر یا دفتر میں غیبت کا ماحول پیدا ہوتو وہاں آپس کے تعلقات میں ہمدردی اور صلہ رحمی کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ جس معاشرے میں لوگ ایک دوسرے کی ذات کو گلی، سڑک، دہلیز اور قہوہ خانوں میں موضوع بناتے ہیں تو وہاں اتحاد والفت کا پیدا ہونا محال ہوجاتا ہے۔

بلکہ غیبت کا عمل آہستہ آہستہ دلوں میں نفرت عداوت کو مضبوط کرتا ہے اور اک معمولی سا اشارہ اس اندر کی آگ کو شدید جھگڑے میں بدل دیتا ہے۔

## غیبت ایک نشہ

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں جو شخص آپ کے ساتھ بیٹھ کر کسی کی غیبت کرے تو یہ بات یقینی ہے کہ وہ دوسروں کے ساتھ بیٹھ کی آپ کی غیبت بھی ضرور کرے گا؛ کیوں کہ غیبت ایک لت اور بیماری ہے جو ہر جگہ اپنا نشہ پورا کرنا چاہتی ہے، لہٰذا بعض اوقات ایک گھر یا معاشرے میں کوئی ہمارے ساتھ بیٹھ کر کسی کی غیبت کرتا ہے تو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ میرا خیر خواہ ہے میرے دشمنوں کے خلاف ہے؛ جب کہ وہ کسی کا دوست نہیں ہوتا؛ بلکہ ایک بیمار نشئی کی طرح اپنا نشہ پورا کررہا ہوتا ہے جسے یہ موقع کل پرسوں آپ کے دشمن کی مجلس میں بھی مل سکتا ہے۔

## غیبت کا علاج

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ غیبت کا علاج یہ ذکر فرماتے ہیں کہ جب بولے تو سوچ سمجھ کر بولے اور اپنی مجلس میں موجود لوگوں کے علاوہ کسی تیسرے کا تذکرہ ہی نہ کرے، چاہے وہ اچھا تذکرہ ہی کیوں نہ ہو؛ کیوں کہ عام طور پر کسی کی اچھائی کا تذکرہ کرتے کرتے ہم اگر مگر لیکن کہہ کر غیبت کی سڑک پر نکل پڑتے ہیں اور ہمیں پتہ بھی نہیں چلتا۔

## زبان کی حفاظت اور غیبت

امام شافعیؒ سے جب کوئی سوال کرتا تو جواب دینے سے پہلے کچھ دیر خاموش رہتے کہ اس کا جواب دینا ضروری بھی ہے کہ نہیں؟

اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ(۱۸، ق)

وہ زبان سے کوئی بات نہیں نکالتا؛ مگر یہ کہ ایک محافظ فرشتہ اس کے پاس تیار بیٹھا ہوتا ہے۔ اچھی یا بری ہماری ہر بات نوٹ ہورہی ہے اور نوٹ کون کررہا ہے فرمایا وہ ''عتید'' ہے یعنی ہر وقت تیار بیٹھا ہوا ہے ہماری حرکات وسکنات کو نوٹ کرنے کے لیے۔

نبی ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو نصیحت فرمائی کہ اپنی زبان پر قابو رکھنا، حضرت معاذؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا زبان کی وجہ سے بھی باز پرس ہوگی؟ نبی ﷺ نے فرمایا بہت سے لوگ قیامت کے دن زبان کی وجہ سے اوندھے منہ پڑے رہیں گے، ہلاک ہوں گے۔

زبان ہمارے لیے ایک سرکاری مشینری ہے جو مفت میں مل چکی ہے تبھی اس کا اندھا دھند استعمال عام نظر آتا ہے، جب چاہا بے دھڑک استعمال کیا، گالم گلوچ، غیبت، گانا بجانا، فضولیات وغیرہ؛ جب کہ اس کے درست استعمال سے ہم نیکیوں کا خزانہ سمیٹ سکتے ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

"كَلِمَتَانِ خفيفتان على اللسان، ثقيلتان فى الميزان، حبيبتان إلى الرحمن: سبحان الله و بحمده، سبحان الله العظيم". (صحيح)

''دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر بڑے ہلکے ہیں، میزان میں بڑے وزنی ہیں، رحمٰن کو بڑے محبوب ہیں وہ یہ ہیں: "سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ"۔

* * *

# صلہ رحمی کی برکات

از: مولانا محمد راشد شفیع

اس وقت مسلمانوں کا معاشرہ بہت سارے سماجی مسائل کا شکار ہے، ان مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ باہمی نفرت، بغض اور حسد کا ہے، جس کا نتیجہ قطع رحمی کی صورت میں نکلتا ہے، اسلام جہاں معاشرے کو گناہوں کی دلدل سے نکالنے کے لیے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حکم دیتا ہے، وہاں خاندانوں کی عمدہ روایات کو تحفظ دینے کے لیے صلہ رحمی کو لازمی قرار دیتا ہے، اور اسلامی معاشرے کی خوبصورتی ہی باہمی ہمدردی، بھائی چارگی، اور ایک دوسرے کی جان، مال، عزت وآبرو کی حفاظت سے جڑی ہوئی ہے۔

صلہ رحمی کا مطلب ہے کہ اپنے رشتہ داروں اور قریبی عزیزوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور ان کے لیے اپنے دل میں خیر خواہی کا جذبہ رکھنا اور بقدرِ ضرورت ان کی مالی امداد کرنا اور ان کی تکالیف میں کام آنا، قرآن وحدیث میں جا بجا صلہ رحمی کی تاکید کی گئی ہے؛ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد باری ہے:

ترجمہ: وہ لوگ جو اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرتے ہیں، اور معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کرتے اور جن رشتوں کو اللہ نے جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے، یہ لوگ انھیں جوڑے رکھتے ہیں اور اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، اور حساب کے برے انجام سے خوف کھاتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی خوشنودی کی خاطر صبر سے کام لیا اور نماز قائم کی، اور ہم نے انھیں جو رزق عطا کیا اس میں سے پوشیدہ اور اعلانیہ خرچ کیا اور برائی کا بدلہ بھلائی سے دیتے ہیں، انہی لوگوں کے لیے انجام کا گھر ہوگا، ہمیشہ رہنے کے باغات، جن میں یہ خود بھی داخل ہوں گے اور ان کے آبا، بیویوں اور اولاد میں سے جو نیک ہوں گے وہ بھی، اور فرشتے ان پر ہر دروازے سے داخل ہوں گے، یہ کہتے

ہوئے کہ ''سلام ہو تم پر'' تمہارے صبر کرنے کی وجہ سے، سو کیا ہی خوب ہے انجام کا گھر۔ (الرعد:24-20)

''حضرت ابو ہریرہؓ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے صلہ رحمی کرنی چاہئے''۔ (صحیح البخاری، کتاب الادب)۔

''دوسری روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ جب مخلوق کی تخلیق سے فارغ ہوئے تو رحم نے کہا: یہ قطع رحمی سے تیری پناہ مانگنے کا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں کیا تو اس بات سے راضی نہیں کہ جو تجھے جوڑے گا، اسے میں جوڑوں گا اور جو تجھے توڑے گا، اسے میں توڑوں گا۔ کہا: کیوں نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو اب ایسے ہی ہوگا''۔ (صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب من وصل وصلہ اللہ) انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جسے یہ بات پسند ہے کہ اس کا رزق فراخ اور عمر دراز ہو تو اسے صلہ رحمی کرنی چاہئے''۔ (صحیح البخاری کتاب الادب)۔

''حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ایسا عمل بتائیں جو مجھے جنت میں داخل کردے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور صلہ رحمی کرو''۔ (صحیح البخاری کتاب الادب)، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میرے (بعض) رشتہ دار ہیں، میں ان سے تعلق جوڑتا ہوں اور وہ مجھ سے تعلق توڑتے ہیں، میں ان کے ساتھ نیکی کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ برائی کرتے ہیں، میں بردباری کے ساتھ ان سے درگزر کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ جہالت کا سلوک کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''اگر تم ایسے ہی ہو جیسے تم نے کہا ہے تو تم ان کو جلتی راکھ کھلا رہے ہو اور جب تک تم اس روش پر رہو گے، ان کے مقابلے میں اللہ کی طرف سے ہمیشہ ایک مددگار تمہارے ساتھ رہے گا''۔ (صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب)۔

ایک اور حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کام کا بدلہ دینا صلہ رحمی نہیں ہے؛ بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب اس کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ نہ کیا جارہا ہو تب بھی وہ صلہ رحمی کرے۔ (صحیح البخاری، کتاب الادب)۔

سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رشتہ داری عرش کے ساتھ لٹکائی ہوئی ہے اور کہتی ہے کہ جس نے مجھے جوڑا اللہ اسے جوڑے گا اور جس نے مجھے توڑا اللہ اس سے دور ہوگا

(صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب)۔

ایک اور روایت میں صلہ رحمی کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے آسان حساب اور جنت میں داخلے کا وعدہ کیا گیا ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین صفات ایسی ہیں کہ وہ جس شخص میں بھی ہوں اللہ تعالی اس سے آسان حساب لے گا اور اسے اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرمائے گا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! کن (صفات والوں) کو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو تجھے محروم کرے تو اسے عطا کر، جو تجھ پر ظلم کرے تو اسے معاف کر، اور جو تجھ سے (رشتہ داری اور تعلق) توڑے تو اس سے جوڑ۔ صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر میں یہ کام کرلوں تو مجھے کیا ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تجھ سے حساب آسان لیا جائے گا اور تجھے اللہ تعالی اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرمادے گا''۔ (المستدرك على الصحيحين للحاكم، رقم الحدیث 3912)۔

❊ ❊ ❊

# نئی کتابیں

(۱)

نام : وضواور نماز کی عملی مشق
افادات : حضرت مفتی ابوالقاسم نعمانی مدظلہٗ، مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند
ترتیب وتخریج : مفتی محمد مصعب قاسمی، معین مفتی دارالعلوم دیوبند
اشاعت : ۱۴۴۴ھ=۲۰۲۳ء صفحات : ۲۲۴
ناشر : مکتبہ فیض محمود دیوبند وبنارس(+919720819131)
ملنے کا پتہ : مکتبہ نعیمیہ دیوبند
تعارف نگار : ڈاکٹر مفتی اشتیاق احمد قاسمی استاذ دارالعلوم دیوبند

==========

''خانقاہ محمودیہ'' بنارس میں صاحبِ افادات کا مختلف موضوعات پر بیان ہوتا ہے، ۱۴۳۸ھ میں احباب کے مشورے سے معتکفین کے درمیان وضواور نماز کی تصحیح پر گفتگو ہوئی اور عملی مشق کے ذریعے سنت کے مطابق نماز ادا کرنے کا طریقہ سکھایا گیا، اس موقع سے صاحبِ افادات نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی سنت کو زندہ کیا اور سنت کے مطابق وضواور نماز کا طریقہ بتایا، مولانا کمال اختر قاسمی زید مجدہٗ نے بیان کو قلم بند کیا اور یہ ۱۴۳۹ھ میں شائع ہوا، قارئین نے پسند کیا، مساجد میں پڑھ کر سنایا جانے لگا، دوسری اشاعت میں مرتب مفتی محمد مصعب قاسمی نے اضافہ کیا اور قارئین کے مزید اعتماد کے لیے فقہ وفتاویٰ اور اکابر اہلِ علم وفضل کی کتابوں سے حوالہ جات بڑھائے، اب یہ اشاعت محقق ہوکر قارئین کے ہاتھو میں ہے۔

اس میں پہلے نماز سیکھنے سکھانے کی اہمیت بیان کی گئی ہے کہ انسان عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے، عبادتوں میں نماز سب سے اہم ہے، تو گویا انسان نماز پڑھنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے، نماز سراپا اخبات اور غایتِ تواضع ہے، دوسری عبادتیں اس سے خالی تو نہیں؛ مگر اخبات کم ہے۔ اسی اہمیت کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم مثلاً: حضرت عثمان غنی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما تابعین کو نماز سکھاتے تھے،

خود رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے نمازیں سکھائی تھیں۔ نماز کے لیے طہارت شرط ہے؛ اس لیے استنجاء اور طہارت کے طریقے وآداب پہلے بتائے گئے، پھر مسواک اور وضو وغیرہ کی سنیت واستحباب کو بیان کیا گیا، پھر نماز کے فضائل، شرائط، سنن، ارکان اور مکروہات کو بیان کیا گیا ہے، پھر تحیۃ الوضو، اوّابین، استخارہ، حاجت، توبہ اور تسبیح کی نماز کو سنت کے مطابق ادا کرنے کی تفصیل ہے۔ اس میں جمعہ، عیدین اور جنازہ کا بیان بھی ہے۔ حضرت مہتمم صاحب کے جملہ افادات میں غالباً یہ سب سے اہم ہے۔ اس کی دیدہ زیب ملٹی کلر طباعت وٹائٹل اور ظاہری ومعنوی خوبی دامنِ قلب ونگاہ کو کھینچتی ہے کہ آؤ مجھے اُٹھاؤ اور آنکھوں کا سرمہ بنا کر اپنی نمازیں درست کرو! وباللہ التوفیق

* * *

(۲)

نام کتاب : ذکرِ ماہ ونجوم
افادات : حضرت مفتی ابوالقاسم نعمانی مدظلہٗ، مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند
اشاعت : ۱۴۴۴ھ=۲۰۲۳ء صفحات : ۴۹۵
ناشر : مکتبہ فیض محمود دیوبند وبنارس (+919720819131)
ملنے کا پتہ : مکتبہ نعیمیہ دیوبند
تعارف نگار : ڈاکٹر مفتی اشتیاق احمد قاسمی استاذ دارالعلوم دیوبند

==========

''ماہ'' (چاند) رسول اللہ ﷺ کا استعارہ ہے اور نجوم (ستارے) صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا؛ حضور ﷺ صحابہ کے درمیان چاند کی طرح روشن اور صحابہ ستاروں کی طرح جگمگاتے ہوتے تھے، خود رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو کہیں ستارے سے اور کہیں کھانے میں نمک سے تشبیہ دی ہے، جہاں ستارے سے تشبیہ دی ہے وہاں وجہِ تشبیہ ''ہدایت'' (رہنمائی) ہے، وجہِ تشبیہ کے لحاظ سے یہ ''تشبیہ مفرد عقلی'' ہے، رات کی تاریکی میں مسافر ستاروں سے سَمت طے کرتے ہیں، خصوصاً سمندری سفر میں اگر کوئی اس سے صرفِ نظر کرے تو منزل تک نہیں پہنچ سکتا، بھٹک کر موت کے منھ میں چلا جائے گا؛ اِسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو معیارِ حق نہ ماننے والا صراطِ مستقیم سے دُور ہوجاتا ہے اور بسا اوقات ایمان سے ہاتھ دھولیتا ہے، یقیناً جو جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم سے جتنی دُور ہے وہ

ہدایت سے اتنی ہی دور ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو کھانے میں نمک سے بھی تشبیہ دی ہے کہ میرے صحابہ کی مثال میری امت میں نمک کی طرح ہے، کھانا نمک کے بغیر اچھا نہیں بنتا اور لذیذ نہیں ہوتا، یہاں بھی وجہِ شبہ لازم جزو ہونا ہے کہ ہدایت کے لیے، سیدھے راستے پر قائم رہنے کے لیے آثارِ صحابہ ضروری ہیں، یہ تشبیہ بھی مفرد عقلی ہے۔

''ذکرِ ماہ ونجوم'' میں سیرتِ نبوی کا بیان، اخلاق واصافِ نبوی اور فضائل وسنن کا ذکر ہے؛ سترہ بیانات اور چھ تحریروں کو اس میں شامل کیا گیا ہے، خلفائے اربعہ، عشرۂ مبشرہ اور امہات المومنین کے مناقب پر سیر حاصل مواد کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے، روضۂ اقدس پر گنبد حضراء کی تاریخ پر موصوف کا مقالہ بڑا پسند آیا، اس میں معلومات قیمتی اور تحقیقی ہیں۔ مفتی محمد اُسامہ بنارسی کے قلم سے شروع میں مجموعے کا تعارف نہایت جامع ہے، اس کو پڑھ کر پورا خاکہ ذہن میں آجاتا ہے۔ اِس طرح یہ مجموعہ بیانیہ اسلوب میں مقامِ صحابہ کے موضوع پر اپنی مثال آپ ہے، اندازِ بیان اتنا مؤثر ہے کہ مضمون کا ہر جملہ تیر بہ ہدف دل پر لگتا ہے، راقم اِسے موفق شخصیت کی کرامت تصور کرتا ہے، جس کی بشارت والدِ محترم کو خواب میں دی گئی تھی کہ ''ابوالقاسم'' گود میں ہیں، ان کی زبان کٹی اور چھلملاتی ہوئی بل میں گھس گئی، تو معبّر ڈاکٹر عبدالواسع مرحوم نے تعبیر دی کہ بچہ واعظ ہوگا اور اس کی بات روئے زمین پر لوگوں کے دلوں میں پیوست ہوگی؛ یہ وصف موصوف کی زبانِ دہن اور زبانِ قلم دونوں میں ہے، ترتیب باقی رکھنے کے ساتھ مؤثر انداز اختیار کرنا اکثر مشکل ہوتا ہے؛ مگر موصوف کی ہر تقریر اور ہر تحریر زوائد سے پاک دُھلی دھلائی اور مؤثر ومرتب ہوتی ہے خواہ وہ مختصر ہو یا دراز نفس۔ دیکھیے محبتِ رسول ﷺ کا بیان ہے، پہلے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عشق ووارفتگی کے واقعات بیان کیے ہیں، پھر محبت کی تین قسمیں: طبعی، عقلی اور ایمانی کو بیان فرمایا ہے، پھر چار اسبابِ محبت: حسن، کمال، رشتہ اور احسان کو سمجھانے کے بعد ان سب کو محبت نبوی پر منطبق فرمایا ہے، پھر اکابرِ دیوبند کے حبِّ نبوی کے متعدد واقعات بیان کیے ہیں پھر مدارس میں خصوصاً دارالعلوم دیوبند میں روزانہ پابندی سے چھ گھنٹے درود شریف پڑھنے پڑھانے کا ذکر کیا ہے اور اس کی بھی وضاحت کردی ہے کہ اجماعِ صحابہ کی مخالفت گمراہی ہے۔ یہ مجموعہ صحابۂ کرامؓ کے سلسلے میں اپنے اندر اتنا مواد رکھتا ہے کہ اُصولی طور پر شیعہ، غیر مقلدین اور جماعتِ اسلامی کی تردید کے لیے کافی ہے، اس میں علمائے دیوبند کے موقف کو بھی دوٹوک انداز میں لکھا ہے۔

عقیدے کے ساتھ اصلاحِ معاشرے کا مواد بھی اطمینان بخش ہے، مثلاً: ''النکاح من سنتی'' اور

''مسنون ولیمہ'' صرف کارڈ پر ہے عمل میں نہیں، ملٹی لیول کمپنی کے دھوکے سے بچنے کی تلقین، تقاضائے قرض اور ادائے دَین میں سیرتِ نبوی وغیرہ عناوین پر اتنا مواد ہے کہ مقررین اس سے فائدہ اُٹھا کر اچھی تقریر تیار کر سکتے ہیں، اردو، فارسی اور عربی اشعار کا آمیزہ، امثال ومحاوراث کا برمحل استعمال خوب لطف دیتا ہے، اسلوبِ بیان کی برجستگی، تنقیح مناط کی عمدگی اور مسلکِ حق کی ترجمانی نے اس مجموعے کو منفرد اور بے مثال بنادیا ہے۔ ٹائٹل، کتابت، کاغذ اور ملٹی کلر طباعت کی وجہ سے ظاہری خوبیوں سے بھی آراستہ وپیراستہ ہے اور دیہاتیوں کی استعاراتی تعبیر میں یوں کہیے: ''یہ گڑ کی چکتی ہے جدھر سے چاٹو میٹھی لگے''! واللہ التوفیق

❊ ❊ ❊

(۳)

نام کتاب : خطبات دارالعلوم دیوبند
مرتب : جناب مفتی عمران اللہ قاسمی، استاذ دارالعلوم دیوبند
صفحات : ۱۰۸۰ (دوجلد)
اشاعت : ۱۴۴۴ھ=۲۰۲۲ء
ناشر : ادارہ فکر اسلامی افریقی منزل قدیم دیوبند 7253922176
ملنے کے پتے : دیوبند کے معروف کتب خانے
تعارف نگار : ڈاکٹر مفتی اشتیاق احمد قاسمی استاذ دارالعلوم دیوبند

==========

دارالعلوم دیوبند اہل علم وفضل کی آماج گاہ ہے، یہاں واردین وصادرین کی کمی نہیں، ایک سے بڑھ کر ایک ممتاز شخصیات یہاں آتی رہتی ہیں اور یہاں کے اساتذہ میں بھی ہر دور کے عبقری اور نمایاں علماء واکابر رہے ہیں اور ان کے گراں قدر خطابات سے طلبہ اور اہل ذوق مستفید ہوتے رہتے ہیں ان سبھی شخصیات کے بیانات اہم ہوتے ہیں؛ اس لیے کہ وہ ایشیا کی عظیم دانش گاہ کے اسٹیج سے خطاب کرنے کے لیے پہلے سے خوب غور وفکر کر لیتے ہیں، ترتیب دے لیتے ہیں، ہر ایک اپنے علم وتجربہ میں آنے والے اہم سے اہم مواد کو پیش کرتا ہے؛ اس لیے دارالعلوم کے اسٹیج پر کیے گئے بیانات خوب نشر ہوتے ہیں، اہل ذوق بڑی اہمیت سے استفادہ کرتے ہیں، ان بیانات کا مجموعہ کتنا اہم ہوگا اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

بڑے باتوفیق ہیں میرے دوست جناب مفتی عمران اللہ قاسمی زیدفضلہ کہ انھوں نے پچھتّر (۷۵) بیانات کو دوجلدوں میں جمع کیا، ہر خطاب سے پہلے ایک تعارفی تمہید لکھی جس میں شخصیت کا ''تذکرہ'' اور خطاب کا تعارف لکھا اور مآخذ کی بھی وضاحت کی اور بیانات پر ''فٹ نوٹ'' (حاشیہ) لکھا، اس میں مشکل الفاظ ومحاورات کے معانی لکھے اور بیانات میں درآئی شخصیات اور مبہمات کو کھولا؛ تاکہ قارئین کما حقہ اس سے مستفید ہوسکیں ان بیانات میں تاریخ، اسرار ورموز، علوم معارف، مدارس پر ہونے والے اعتراضات کے جواب، اکابر کی خدمات، دارالعلوم میں بہ تدریج شعبوں کے اضافے کی وجہ اور نوعیت، غیر مسلموں کا چندہ مثلاً جب اعلان دیا گیا تو لکھنؤ کے ''نول کشور'' کے مالک نے اپنی ساری مطبوعات کا ایک ایک نسخہ بھیجا، اس پر حضرت نانوتویؒ نے شوریٰ کے توسط سے ان کا شکریہ نامہ ارسال فرمایا وغیرہ یہ بیانات روداد دارالعلوم، القاسم، الرشید، ماہ نامہ دارالعلوم، آئینۂ دارالعلوم، الداعی، گل افشانی گفتار اور مختلف خطبات اور تصانیف اکابر سے لیے گئے ہیں، بعض اکابر مثلاً حضرت گنگوہی اور حضرت شیخ الہند کا بیان نہ ملا تو ''معارف الاکابر'' سے ان کے ملفوظات نقل کیے، اس لیے کہ یہ حضرات عموماً بیان نہیں فرماتے تھے یا بیانات ہوئے اور وہ نہ مل سکے یا محفوظ نہ کیے گئے۔ بہرکیف یہ مجموعہ اپنی نوعیت کا منفرد اور مفید ترین مجموعہ ہے، مرتب نے خوانِ یغما سجا کر پیش کیا ہے، اب انتظار ہے لطف اندوز ہونے والوں کا؛ تو آیئے ہم ان تبرکات اکابر سے استفادہ کریں! ان میں بیانات اتنے اہم ہیں کہ راقم حروف نے اسے جب بھی اٹھایا تو پڑھتا چلا گیا اور بھول گیا کہ مجھے اس پر تبصرہ اور تعارف لکھنا ہے، جگہ جگہ ایسی باتیں علم میں آئیں جن سے ناچیز واقف تھا۔ مسلسل کئی مہینے اس کو پڑھتا رہا اب تعارف لکھنے کی نوبت آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ مجموعۂ افاداتِ اکابر کو مفید ترین بنائیں اور مرتب اور قارئین کے لیے سنگ میل اور ذریعۂ نجات بنائیں! وما ذلك على الله بعزيز!

❊ ❊ ❊

(۴)

نام کتاب : جامع خلاصۃ القرآن (رکوع بہ رُکوع)

تالیف : مولانا بدرالاسلام قاسمی استاذ جامعہ امام محمد انور دیوبند

صفحات : ۵۷۸

قیمت : (درج نہیں)

اشاعت : ۱۴۴۵ھ=۲۰۲۴ء
ناشر : مکتبہ النور دیوبند 9456422412
تعارف نگار : ڈاکٹر مفتی اشتیاق احمد قاسمی استاذ دارالعلوم دیوبند

==========

آج ''ہدایہ ثانی'' پڑھا کر درس گاہ سے نکلا تو ایک طالب علم نے یہ قیمتی علمی تحفہ پیش کیا کہ مؤلف نے عنایت فرمایا ہے، چلتے چلتے ورق گردانی کرنے لگا، یہ ''جامع خلاصۃ القرآن'' ہے، نام تعارف کے لیے کافی ہے، اس میں مؤلف نے عام مسلمانوں کو قرآن کریم کی طرف متوجہ کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے، جو سلسلہ انھوں نے رمضان المبارک کے مہینے میں شروع کیا تھا اسی کو مکمل کرکے بہتر لباس میں منصۂ شہود پر پیش کیا ہے، اس میں مؤلف نے اپنے پیش رو جناب مولانا سلیم الدین چشتی کی ''مستند خلاصۂ مضامین قرآنی'' سے استفادہ کیا ہے، سب سے پہلے سورہ قرآن کی ایک آیت لکھتے ہیں پھر اس رکوع کی تفصیل نہایت سہل انداز میں پیش کرتے ہیں، احکام کی آیتوں میں مسائل کو اپنے الفاظ میں لکھتے ہیں، ''توضیح القرآن''، ''معارف القرآن'' اور ''قاموس الفقہ'' سے مسائل لکھے ہیں اور قرآنی سورتوں کے تعارف کے لیے حضرت مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ اور حضرت مفتی سعید احمد پالن پوریؒ کی تفسیر توضیح القرآن اور ہدایت القرآن کو رکھا ہے؛ تاکہ کہیں کوئی غلطی نہ ہوجائے، اسی طرح شروع میں قرآنی علوم کے تعارف کے لیے معارف القرآن کے مقدمے کی تلخیص شائع کی ہے اور علمائے دیوبند کی دس رائج تفسیروں کا تعارف بھی تحریر کیا ہے؛ تاکہ عوام غیر مستند شخصیات کی تفسیر پڑھ کر گمراہ نہ ہوں۔

راقم حروف کو موصوف کی یہ محنت پسند آئی، اس سے عام اردو خواں افراد کو فائدہ ضرور ہوگا، اگر اسے ہندی زبان میں منتقل کردیتے تو ان مسلمانوں کے لیے مفید ہوتی جو اردو رسم الخط سے واقف نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ تالیف کو قبولیت سے نوازیں! کتابت، طباعت، کاغذ اور ٹائٹل سب عمدہ اور جاذب نظر ہے۔

❊ ❊ ❊